انیسویں صدی کے منتخب علمائے اہل سنت کی اردو خدمات: تحقیقی مطالعہ

(۱)

اردو زبان نے دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح ارتقا کے کئی مراحل و مدارج طے کیے اور آج دنیا کی نمایاں زبانوں میں ایک خاص مقام کی حامل ہے۔ ترقی کے اس سفر میں مختلف زمانوں اور ادوار میں مختلف رجحانات نے اس سفر کی رفتار کو متاثر کیا۔لیکن اس حقیقت سے آج تک انکار ممکن نہیں کہ اردو تحریری سرمائے کی ابتدا صوفیائے کرام کے مرہون منت ہے، ابتدا صوفیائے کرام نے تبلیغ دین کے لیے اردو کو ذریعۂ اظہار بنایا اور غیر شعوری طور پر اسے ادبی سطح پر لانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔انھی صوفیائے کرام کے اردو فقرے، اقوال اردو کے ابتدائی نمونے ہیں۔ یہ صوفیائے کرام، علمائے دین بھی تھے چوں کہ ان پر تصوف کا رنگ غالب تھا اس لیے وہ بطور صوفی جانے جاتے ہیں۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی، شیخ یحییٰ منیری، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شاہ میراں جی شمس العشاق، شاہ برہان الدین جانم، امین الدین اعلیٰ بیجاپوری، شاہ علی جیو گام دھنی اور صابر کلیری وغیرہ بلند پایہ علمائے دین بھی تھے۔

اردو کی پہلی سی حرفی شاہ علی جیو گام دھنی نے لکھی[۱]، شاہ میراں جی شمس العشاق کی چار نظمیں: خوشنامہ، خوش نغز، شہادت التحقیق اور مغزِ مرغوب دستیاب ہیں[۲]۔ شاہ برہان الدین جانم نے نثر و نظم دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ''کلمۃ الحقائق'' اور ''وجودیہ'' نثری تصانیف ہیں، ان کی نظموں کے نام یہ ہیں: ''وصیۃ الہادی''، ''بشارۃ الذکر''، ''سکہ سہیلا''، ''منفعۃ الایمان''، ''فرمان از دیوان''، ''حجۃ البقا'' اور ''ارشاد نامہ''[۳]۔ اس کے علاوہ انھوں نے گیت اور دوہے بھی لکھے[۴]۔ شاہ امین الدین اعلیٰ نے نظمیں، غزلیں، گیت اور دوہے کہے۔ ان کی نظموں کے نام ''محبّ نامہ''، ''رموز السالکین''، ''کلامِ اعلیٰ'' اور ''وجودیہ'' ہیں جب کہ نثر میں ''گفتار حضرات امین''، ''وجودیہ'' اور ''کلمۃ الاسرار'' تصنیف کیں[۵]۔

شیخ عبداللہ انصاری نے ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء میں ''فقہ ہندی'' کے نام سے رسالہ لکھا[۶]۔ اس طرح اردو تحریری سرمائے کو ثروت مند کرنے میں ابتدا ہی سے علمائے دین کا اہم کردار ہے۔ اردو شعری روایت کو پروان چڑھانے میں بھی علما کی مساعی گراں قدر ہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں بلند پایہ عالمِ دین تھے آپ نے

روایت اور مذاقِ سخن میں تبدیلی پیدا کی، اردو شاعری کو ایہام گوئی کی قید سے رہائی دلائی اور نئی شاعری کی بنیاد رکھی جس میں واردات قلبیہ اور تجربات کو اہمیت حاصل تھی۔ بقول جمیل جالبی ''آپ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ فارسی شاعری کی روایت وعلامات، بندش وتراکیب کو شاہ جہان آباد کی اردوئے معلیٰ کے ساتھ ملا کر اسے ایک نیا آہنگ دیا'' ۷ انھوں نے اس نئے رنگ سخن کو مقبول بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اردو صوفیانہ شاعری کے امام خواجہ میر درد بھی عالمِ دین تھے۔

مولوی محمد باقر آگاہ عربی، فارسی اور اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ہشت بہشت، ریاض الجنان، تحفۃ الاحباب فی مناقب الاصحاب، فرائد، محبوب القلوب، تحفۃ النساء، روضۃ السلام، گلزار عشق، افسانہ رضوان شاہ، فسانۂ روح افزا، صبح نور بہارِ عشق، ندرتِ عشق، حیرتِ عشق اور روپ سنگار وغیرہ آپ کی اردو تصانیف ہیں ۸۔ اس دور میں شمال کی اردو نثر فارسی کے زیر اثر تھی۔ مولوی محمد باقر آگاہ نے دکن میں بول چال کی عام زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے اردو نثر نویسی کی روایت میں ایک نئے رنگِ بیان کی طرح ڈالی ۹۔

مندرجہ بالا مختصر جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علمائے دین نے نہ صرف اردو تحریری سرمائے کے آغاز میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اردو شعری روایت کو بھی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ آئندہ صفحات میں انیسویں صدی کے منتخب علمائے اہل سنت کی اردو خدمات کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

(۲)

انیسویں صدی کے علمائے اہل سنت کی اردو تصانیف کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف مذہبی موضوعات پر ہی قلم نہیں اٹھایا بلکہ اردو ادب کی معروف اصناف میں بھی ان کی تصانیف موجود ہیں جو یقیناً اپنی اہمیت کے اعتبار سے اردو ادب میں نہایت گراں قدر ہیں، جن سے اردو ادب کی تاریخ میں صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

علمائے دین نے اردو شاعری میں گراں قدر اضافے کیے۔ راقمۃ الحروف کو ایک تحقیق کے دوران کم وبیش ایسے ستر علمائے کرام کا تذکرہ ملا جو اردو میں شاعری کرتے تھے ان میں کئی صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ بعض علما ایسے بھی ہیں جن کا باقاعدہ مجموعہ کلام تو نہیں البتہ اس عہد کے تذکروں میں ان کے اردو اشعار ملتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان علمائے کرام کی شاعری اس قابل تھی کہ اس عہد کے تذکرہ نویسوں نے انھیں اپنے تذکروں میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔ بعض کا ذکر تو ایک سے زیادہ تذکروں میں بھی ہے جس سے اس عہد میں ان صاحبان کی علمی وادبی قدر کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ ایسے شعرا میں مولوی غلام جیلانی، مولوی محمد

سعید الدین کاکوروی، مولوی عبداللہ دہلوی، مفتی صدرالدین آزردہ، مولوی حبیب النبی، مولوی حبیب احمد، مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی اشرف علی بدایونی، مولوی احمد حسن قنوجی، مولوی حمزہ دہلوی، مولوی حبیب الرحمٰن سہارنپوری اور مولوی نجم الدین چریاکوٹی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (۱۱۶۲ھ۔۱۲۴۵ھ) اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے، نشاط تخلص تھا، صاحب دیوان شاعر تھے[۱۰]۔ انھوں نے مثنوی معنوی کے ایک ہزار اشعار کا منظوم اردو ترجمہ کیا اس کے علاوہ دو منظوم اردو رسالے بھی ان سے یادگار ہیں، ایک میں انھوں نے علم قراۃ کے اصول وفروع اور دوسرے میں نماز کے فرائض، واجبات اور سنن ومستحبات کو بیان کیا ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً چونتیس (۳۴) ہے اس کے علاوہ سترہ (۱۷) درسی کتب کے حواشی بھی لکھے۔[۱۱]

مفتی صاحب ابتدا میں صرف نعتیہ کلام کہتے تھے، غزل گوئی کی عادت نہ تھی لیکن آخر میں ''سوزش باطنی اور تپش اندرونی اور غایت بے قراری وبے تابی میں بے ساختہ عشقیہ اشعار زبان پر آگئے اور ایک مستقل دیوان تیار ہوگیا۔''[۱۲] اردو نظم میں علم قرات کے اصول وفروع تحریر کیے اور اردو منظوم رسالے میں نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کو بیان کیا[۱۳]۔ اخیر زمانہ میں مثنوی معنوی کا اردو نظم میں ترجمہ کیا جب ایک ہزار اشعار کا ترجمہ ہوا تو آپ کا انتقال ہوگیا آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی ابوالحسن نے مزید ایک ہزار اشعار کا ترجمہ کر کے دفتر اوّل کا منظوم اردو ترجمہ مکمل کیا۔[۱۴]

سلاست وروانی مفتی صاحب کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ انھوں نے قلبی واردات کو سادگی اور دل کشی کے ساتھ بیان کیا ہے، آپ کا کلام آورد سے پاک ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آتشِ عشق ٹک امداد کہ جل جائے یہ دل گرمیٔ اشک سے جوں شمع پگھل جائے یہ دل
ایک ساعت بھی تپش سے مجھے آرام نہیں نکلے کانٹا سا جو پہلو سے نکل جائے یہ دل
جز عدم بھی نہ اٹھے نقشِ قدم کی مانند اس کے کوچہ میں اگر آب کے چل جائے یہ دل
ہم نشیں اس کے گر آنے کا کوئی طور نہیں اس کی کوئی بات ہی کہہ کہ بہل جائے یہ دل
آزمائش کے لیے تیار کیے حور وقصور دیکھ صورت کسی کی نہ مچل جائے یہ دل [۱۵]

کب کہہ سکے گا اس سے مرا دردِ اشتیاق لکھ دو پیام بر کو کوئی فرد اشتیاق
دیتا نہ دل کبھی تجھے اے بدمعاملہ پر کیا کروں ملا نہ خریدار دوسرا

مخفی ہے زیر برگ مگر گل گلاب کا اس گل بدن کے سبز جوسر پر دوشالہ تھا

غصہ سے تھا عرق تیرے گلگوں عذار پر　　شبنم میں تر بتر کہ گل سرخ لالہ تھا ۱۶

ہے رزق مقدر کا طلب ہم کو خدا سے　　برسے تو بلا سے جو نہ برسے تو بلا سے
پہنچا نہ مرا مشتِ غبار اس کے قدم تک　　اتنی بھی تو حرکت نہ ہوئی بادصبا سے
ٹک دے تو مجھے شربت عناب لبوں کا　　گزرا ہے تپ عشق کا کام اب تو دوا سے

ملنے کا قصد ہے تو کوئے عدم میں آ　　ورنہ جہاں میں معین اپنا مکاں نہیں
کج فہمی اپنی ہے کہ اسے ڈھونڈتے ہیں ہم　　ٹک غور سے تو دیکھ وہ جلوہ کہاں نہیں ۱۷
بے درد، بے مروت و بے مہرو بے وفا　　القاب کون سا میں تجھے دل ربا لکھوں
دوری سے دوستوں کی جو گزرے نشاط پر　　کاغذ میں کب سمائے جو وہ ماجرا لکھوں

ایک پل نہیں تھمتا میری آنکھوں سے جو آنسو　　جاتا ہے یہ کس سمت کو لشکر نہیں معلوم
رہتا ہے کہاں وہ بت خود کام بتا دو　　یارو بخدا اس کا مجھے گھر نہیں معلوم ۱۸

مفتی الٰہی بخش کے بیشتر اشعار سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ تقصیر تیری نہ خنجر کے تیری　　اجل اپنی یوں تھی بہانے بہت ہیں ۱۹

بخشندہ کوئی تجھ سا نہیں اے مرے کریم　　مجھ سا نہیں جہاں میں گنہگار دوسرا

آج تو آپ کے آنے کا کچھ امکان نہیں　　کل تلک زیست کا اپنے کوئی عنوان نہیں ۲۰

شکوہ لکھوں ترا کہ میں دل کا گلا لکھوں　　حیرت میں ہوں کہ کون سا اب مدعا لکھوں
اہلِ وفا میں یا کہ تمھیں بے وفا لکھوں　　خط کا جواب جو نہ لکھے اس کو کیا لکھوں ۲۱

مفتی الٰہی بخش نے حمد و ثنا میں عمدہ اشعار کہے ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پکڑے جو بال اس کی ثنا کی کمند کا　　قابو کہاں کسی کے خرد کی کمند کا
شیریں مذاق خامہ ہو کہ اس کے نام سے　　چوں نیشکر تمام نیستان قند کا

مجھ مشتِ خس کو برق تجلی سے کیا حساب | شعلہ سے دوبدو ہو کیا منہ سپند کا
عالم سے تو نے ہم کو کیا اوّل انتخاب | اب پاس ہے ضرور اس اپنی پسند کا

ب شکر خدا کہ شکرِ خدا میں ادا کیا | ہر مو نے سرنگونی سے سجدہ جدا کیا
آگے نہ بڑھ سکا ترے عفو عظیم سے | ہر چند میں گناہ بڑے سے بڑا کیا
ہر چند تھا نشاط سراپا گنہ ولے | تکیہ ترے رسول کے در پر اب آ کیا ۲۲

مثنوی معنوی کے چند اشعار کا منظوم ترجمہ بطورِ نمونہ درج ذیل ہے:

ب بشنواز نے چوں حکایت می کند | وز جدائی ہا حکایت می کند
سنیو نے سے کیوں حکایت کرتی ہے | اورجدائی سے شکایت کرتی ہے
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند | از نفیرم مردو زن نالیدہ اند
جب سے کی ہے کاٹ کرتن سے جدا | جس کے منہ لگتی ہے نالاں ہے صدا
سینہ خواہم شرح شرح از فراق | تا بگویم شرح دردِ اشتیاق
ہرکسے کودور ماند از اصل خویش | باز جوید روزگار وصل خویش
جس کو ہووے شوق اپنی اصل کا | کیوں نہ ڈھونڈے وہ زمانہ وصل کا
سرمن از نالۂ من دورنیست | لیک چشم و گوش را آں نورنیست
رازدل نالے سے میرے دور نہیں | پر ترے کانوں کے تئیں وہ نور نہیں
تن زجان و جاں زتن مستور نیست | لیک کس رادید جاں دستور نیست
جان و تن میں گو نہیں ظاہر دوئی | دیکھ کب سکتا ہے ہر جی کو کوئی
آتش است آں بانگ نائی نیست باد | ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد
آگ ہے آواز نے کی نے کی باد | جس کو یہ آتش نہیں ، ہے نامراد ۲۳

اردو صوفیانہ شاعری میں ایک اہم نام شاہ نیاز احمد بریلوی (۱۱۷۳ھ۔۱۲۵۰ھ) کا ہے، جو علم و فضل میں یکتائے عصر تھے۔ فارسی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کی جس میں حقائق و معارف کا ذکر ہے ان کا اردو دیوان بہت مختصر ہے لیکن اردو صوفیانہ شاعری میں بہت اہمیت کا حامل ہے، شاہ نیاز احمد نے تصوف کے باریک نکات کو حسن و دل کشی کے ساتھ بیان کیا جو آپ کی فکر رسا کا ثبوت ہے۔ قابل ذکر خوبی یہ ہے کہ ان کے

متصوفانہ خیالات میں مجہولیت وفراریت نہیں بلکہ ایک قسم کی تازگی ونشاط خیزی ہے۔

شاہ نیاز احمد کی شاعری میں عظمتِ انسان کا تصور پایا جاتا ہے۔ انسان کو بے بس ومجبور محض سمجھا جاتا تھا جس کی وجہ سے بے عملی کو فروغ ملا لیکن شاہ نیاز احمد نے انسان کی عظمت وشرف اور کائنات میں اس کی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

ملک خدا میں یارو آباد ہیں تو ہم ہیں — تعمیر دوجہاں کی بنیاد ہیں تو ہم ہیں
دیکھا پرکھ پرکھ کر آخر نظر پڑا یہ — گر نقد ہیں تو ہم ہیں نقاد ہیں تو ہم ہیں
ہستی کے کاغذوں پر اپنے ہی دستخط ہیں — گر فرد ہیں تو ہم ہیں اور صاد ہیں تو ہم ہیں
روئے زمیں کے اوپر مانند گردباری — گر خاک ہیں تو ہم ہیں اور باد ہیں تو ہم ہیں ۲۴

حاضر ہے بندگی میں ہماری تمام خلق — از عرش تا بفرش سب اپنا غلام ہے ۲۵

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور — جن و ملک کے اوپر کر رہا ہے اپنا بازو ۲۶

جب وہ ہوا جلوہ گر تختِ خلافت اوپر — عالم ملکوت کے اوڑ گئے ہاتھوں کے مور ۲۷

ان کی شاعری زبان وبیان کی خوبیوں سے بھی متصف ہے، ثقیل الفاظ اور دوراز کار تشبیہات سے کلام پاک ہے۔ فصاحت، سلاست وروانی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی جو شاہ نیاز کی قدرتِ زبان کا ثبوت ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

لشکرِ غم آ پڑا اقلیمِ دل پر ٹوٹ ٹوٹ — یہاں ندائے الاماں تھی وہاں صدائے لوٹ لوٹ
رات تیری یاد میں اتنا میں رویا پھوٹ پھوٹ — ٹوٹا پانی آنسوؤں کا آنکھیں اپنی پھوٹ پھوٹ
عقل و دین کی بستیں تاب وتواں کی نگر میں — آ غنیم غم نے کیں ویران ساری لوٹ لوٹ
قاضی و ملا و مفتی، محتسب، زاہد، فقیر — سب گئے دوری میں تیرے میکدے کو پھوٹ پھوٹ ۲۸

شاہ نیاز احمد کے یہاں آمد ہے آورد نہیں، انھوں نے بلند خیالات کو سادگی، دل کشی اور نفاست کے ساتھ بیان کیا ہے دوراز کار تشبیہات واستعارات، مشکل الفاظ وتراکیب سے ان کا کلام پاک ہے، بہت سے اشعار سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

افسانہ میرے درد کا اوس یار سے کہہ دو — فرقت کی مصیبت کو دل آزار سے کہہ دو

مشکل ہے جو چپ رہتے ہیں جی ہوئے ہے بیکل   وہ یار برا مانے ہے گر رو رو پکارو ۲۹

بھاتا نہیں ہے کوئی تجھ بن نیاز کو اب   تیری پیاری باتیں اوسکو تو بھا رہی ہیں ۳۰

مبارک رہے تجکو واعظ بہشت   میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے
ادھر کی نہیں جانتے رسم و راہ   میاں ہم تو باشندے ہیں پار کے ۳۱

اردو صوفیانہ شاعری شاہ نیاز احمد کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ بقول خلیق احمد نظامی:

> ''شاہ صاحب شعر بہت کم کہتے تھے اسی وجہ سے ان کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم نہیں۔ ان کی فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک باریک نکات کو انتہائی حسن اور دل کشی کے ساتھ پیش کیا ہے ان کے کلام میں آورد نہیں وہ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں سوز و گداز، درد، علومعانی کے علاوہ نفاست، سلاست اور روانی ان کے کلام کا خاص جوہر ہیں۔'' ۳۲

مفتی صدرالدین آزردہ (۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء۔۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ اپنے زمانے میں یگانہ روزگار اور نادرہ عصر تھے۔ بقول سرسید احمد خان:

> ''ایسا فاضل اور ایسا کامل کہ جامع فنون شتی اور مستجمع علوم بے منتہا ہو، اب سوا اس گروہ علمائے روزگار کے بساط عالم پر جلوہ نہیں۔'' ۳۳

وہ شاعر بھی تھے۔ اردو میں طرز خاص کے مالک تھے۔ سادہ روش کو پسند کرتے تھے۔ مفتی صدرالدین آزردہ کا مجموعہ کلام مرتب صورت میں نہیں ملتا، شعرا کے تذکروں میں بعض نے ان کے اردو کلام کا انتخاب دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صنف غزل پر طبع آزمائی کی۔ ''طبقات الشعرا ہند'' میں مفتی صدرالدین کے بارے میں لکھا ہے:

> ''اس زمانے کے شعراء اردو گو میں وہ مثل شاہنشاہ کے ہیں اگرچہ اشعار عربی اور استعداد فارسی کی انھی لیجہ رکھتے ہیں کہ اچھے اچھے مصنفوں کی حقیقت اونکے سامنے کچھ نہیں مگر پھر بھی بسبب اس امر کے کہ ہمدان ہیں، اشعار اردو بھی فرماتے ہیں۔'' ۳۴

آزردہ کی شاعری کا نمایاں وصف یہ ہے کہ ان کا طرز ادا عام فہم و سادہ ہے دور از کار تشبیہات و استعارات، پیچیدہ تراکیب اور بے جا مبالغہ آرائی سے ان کا کلام پاک ہے، انھوں نے دلی جذبات و احساسات کو سادگی و روانی سے بیان کیا ہے، وہ خود کہتے ہیں:

ـ ریختہ یہ ہے کہ جوں آیت محکم ہے صاف　　معنی دور نہیں ، لفظ بھی مہجور نہیں ۳۵

ان کی یہی خصوصیت معاصرین میں ان کا امتیازی درجہ رکھتی ہے۔۳۶ مفتی صدرالدین کے چند اشعار درج ذیل ہیں جن میں سہل ممتنع کی خوبی پائی جاتی ہے:

ـ ذکروفا وہ سنتے ہی مجلس سے اٹھ گئے　　کچھ گفتگو ہی ٹھیک نہ تھی ایسے باب میں ۳۷

ـ وہ آئے دم نزع کیا کہہ سکیں　　نہیں ہونٹ تک بھی ہلانے کے قابل ۳۸

ـ بالیں پہ کھڑا روتا ہے راتوں کو مسیحا　　کچھ آن بنی ہے ترے بیمار پر ایسی ۳۹

ڈاکٹر مختارالدین احمد مفتی صدرالدین آزردہ کی اردو شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صاف اور سلیس زبان میں اظہار خیالات ان کا طرۂ امتیاز ہے تعقید اور ثقالت ان کے ہاں برائے نام بھی نہیں۔" ۴۰

اسی وصف کی وجہ سے ان کے بعض اشعار ضرب المثل کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، ایسے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ـ یہ عمر اور عشق ، ہے آزردہ جائے شرم　　حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہد شباب میں ۴۱

ـ کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی　　کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

ـ اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں　　اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں ۴۲

ان کی شاعری میں جذبۂ عشق کی شدت اور والہانہ بیتابی کا اظہار بھی پایا جاتا ہے:

ـ مختصر حال چشم و دل یہ ہے　　اس کو آرام اس کو خواب نہیں ۴۳

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضع داریاں　　جوں جوں رکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے ۴۴

ـ دامن اس کا تو بہت دور ہے اے دستِ جنوں　　کیوں ہے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں ۴۵

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حالات کی ابتری کے باعث درد و غم کی جو کیفیت پورے

معاشرے پر چھا گئی تھی اس کی جھلک آزردہ کے کلام میں موجود ہے، چند اشعار درج ذیل ہیں:

بلند آشیانوں پہ بجلی گری — جو نیچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں
وہ عریاں ہیں سرما میں تھی جن کی شب — گزرتی سمور اور سنجاب میں

گیا کون سا صید افگن ادھر سے — کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں ۴۶؎

ہمیں قید کرنے سے کیا نفع صیاد — نہ تھے دام میں ہم تو لانے کے قابل
نہ بال منقش نہ پر ہائے رنگیں — نہ آواز خوش کن سنانے کے قابل
ہوئے ہیں وہ ناقابلوں میں شمار اب — جنھیں مانتے تھے زمانے کے قابل
وہ آزردہ جو خوش بیاں تھے نہیں اب — اشارے سے بھی کچھ بتانے کے قابل ۴۷؎

ان کی شاعری میں محبوب سے چھیڑ چھاڑ اور گلہ شکوہ بھی ہے لیکن ابتذال نہیں، سلیقہ اور رکھ رکھاؤ موجود ہے:

عالم خراب ہے نہ نکلنے سے آپ کے — نکلو تو دیکھو خاک میں کیا گھر کے گھر ملے
باہم سلوک تھا، یہ تیرے دورِ حسن میں — یہ رسم اٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے ۴۸؎

ذکرِ وفا سنتے ہی مجلس سے اٹھ گئے — کچھ گفتگو ہی ٹھیک نہ تھی ایسے باب میں ۴۹؎

طنز و تعریض کا عنصر بھی موجود ہے:

اسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر — کہیں پرسش داد خواہاں نہیں ۵۰؎

مبتذل میں ہی تو ہوں آپ جو کہیے سچ ہے — رات جھگڑے تو مجھی پر سرِ بازار ہوئے ۵۱؎

الجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب — لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشاں کو ۵۲؎

ـ ملنا تیرا یہ غیر سے ہو بہر مصلحت ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں ۵۳
آزردہ کی غزل واردات کی عکاس نظر آتی ہے۔۵۴ انھوں نے اپنے تجربات اور وارداتِ عشق کو خلوص سچائی کے ساتھ بیان کیا ہے، چند اشعار درج ذیل ہیں:

ـ جو کچھ نہ دیکھنا تھا سو وہ دیکھنا پڑا اس بے وفا سے پہلے تھے کیا دیکھ کر ملے
پروانہ وار رہے حد پرواز شعلہ تک جلنے ہی کے لیے مجھے یہ بال و پر ملے ۵۵

ـ مر کر بھی ہمارا دل بیتاب نہ ٹھہرا کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا ۵۶

گو اسیری میں ہوں پر مثل اسیر تصویر نہ غم قید نہ پروائے رہائی مجھ کو ۵۷

ـ وہ شاخ نخل خشک ہوں میں کنج باغ میں دیکھے ہے بھول کر بھی جسے باغباں نہیں
اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ اک قہر تھی، بلا تھی قیامت تھی جاں نہیں ۵۸

انیسویں صدی کے کم و بیش ہر تذکرے میں صدرالدین کا ذکر کیا گیا ہے ان کی شاعری میں ایک انفرادی شان پائی جاتی ہے جس کا اعتراف سب ہی نے کیا ہے، اگر چہ ان کا مجموعہ کلام مرتب نہیں ہو سکا مگر تذکروں میں موجود اشعار ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے ادراک و اعتراف کے لیے کافی ہیں۔ خیال کی بلندی، زبان کی صفائی، لطافت فکر، صداقت جذبات، سادگی و پرکاری، سوز و گداز ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں اردو نعتیہ شاعری کا ایک اہم نام مولوی کفایت علی کافی (م ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) کا ہے۔ مولوی کفایت کی نعتیہ شاعری کی خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے شعری احکام کی پاس داری کا خاص خیال کیا۔۵۹

اس لیے احمد رضا خان مولوی کفایت علی کافی کی شاعری کو بہت پسند کرتے تھے۔۶۰ اور اسے شوق سے سنتے تھے۔ مولوی کفایت علی نے تغزل میں جادۂ اعتدال کو قائم رکھا، الفاظ و تراکیب کے استعمال اور تغزل و متعلقات حسن کے بیان میں بہت زیادہ احتیاط برتی، سراپا مبارک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ـ جدھر کو رونق افزا وہ بہار باغِ رضواں ہو تمامی کوچہ و بازار نکہت سے گلستاں ہو
پڑے پرتو جدھر کو لعل لب پرور دنداں کا وہاں کے سنگریزے سے ہویدا در مرجاں ہو
اگر وہ کھول دے گیسوئے مشکیں کو سیہ شب میں یکا یک اختر بخت شب یلدا درخشاں ہو

حسیناں و جمیلان جہاں سے ان کو کیا نسبت کہ جن کے حسن کا ادنیٰ سا پرتو ماہ کنعاں ہو ۶۱

باعثِ ایجاد طاق جنتِ فردوس ہے طاق ابر و قوس زیبائے جناب مصطفیٰ
ابذب الاشقار جن کے وصف میں وارد ہوا ہیں وہ مژگان صفِ آرائے جناب مصطفیٰ
مظہرِ نورالٰہی حبذا صل علیٰ بینیٔ اقدس معلائے جناب مصطفیٰ ۶۲

مولوی کفایت علی نے رسول اللہ ﷺ سے خطاب کے لیے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب الفاظ کا استعمال کیا اور الفاظ و تراکیب کا استعمال موقع و محل کی مناسبت سے کیا ہے۔ امداد صابری ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''زبان نہایت سلیس، عام فہم، صاف شستہ اور لوچ دار ہے آورد کا نام نہیں ہے آمد ہی آمد کلام میں پائی جاتی ہے اشعار دردانگیز اور انتہائی مؤثر ہوتے ہیں۔ انداز کلام عاشق جانباز کا سا ہے جو اپنے محبوب تک انکسار و عاجزانہ طور پر اپنے دل کی آواز اور دردناک پیغام کو پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔'' ۶۳

بنگلور کے جلیل القدر عالم مولوی عبدالحیٔ بنگلوری (۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء۔۱۳۰۲ھ/۸۵۔۱۸۸۴ء) اردو میں شاعری کرتے تھے احقر تخلص تھا۔۶۴ ان کی تصانیف کی تعداد سوا سو کے قریب ہے۔۶۵ ان میں سے بیش تر منظوم ہیں جو متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں، جن میں تفسیر و حدیث، سیرت نگاری، فضائل و مناقب، تاریخ، فقہی مسائل اور حقوق الزوجین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ''جنان السیر فی احوال سید البشر'' مولوی عبدالحیٔ کی مقبول ترین تصنیف ہے، یہ مبسوط سیرت رسول اللہ ﷺ ہے جو میسور میں انتہائی مشہور و مقبول تھی۔ ۶۶ اس میں تفسیر و احادیث اور مختلف کتب سیر کے حوالوں سے سیرت رسول ﷺ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس صدی کے پرآشوب حالات میں سیرت رسول پاک ﷺ میں غیر معتبر روایات و واقعات کی روک تھام اور مستند روایات کو بیان کرنے کے رجحان کو فروغ دینا لائق تحسین ہے۔ مواد و استناد کے لحاظ سے اس کا شمار اردو کی اہم منظوم سیرت رسول ﷺ میں ہوتا ہے جس کے ذکر کے بغیر منظوم اردو سیرت نگاری کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔

اردو نعتیہ شاعری میں نسبتاً غیر معروف نام مولوی عبدالسمیع بیدل رام پوری (م ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰۔۱۸۹۹ء) کا ہے، وہ اپنے دور کے نام ور عالم، اعلیٰ درجے کے مصنف تھے۔ حدیث و تفسیر اور فقہ میں انھیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ مولوی عبدالسمیع اردو میں شاعری بھی کرتے تھے، آپ کا تخلص بیدل تھا۔ قیام دلی کے زمانے میں شعر و شاعری سے رغبت پیدا ہوئی غالب کی شاگردی اختیار کر کے اردو میں شعر کہنے لگے۔۶۷ شروع میں مولوی

صاحب رسمی غزل کی طرف زیادہ متوجہ رہے لیکن جیسے جیسے ان کا مذہب سے شغف بڑھتا چلا گیا اور خاص طور پر جب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہوئے تو ان کی نعت و منقبت سے زیادہ مزاولت رہنے لگی۔ ۶۸ ان کا بیش تر کلام ان کے آخری ایام کی بے توجہی کے باعث ضائع ہو گیا، ان کے شاگرد، جن کا تخلص ''تسخیر'' ہے، نے بڑی محنت کے بعد ان کا کلام جمع کر کے ''طراز سخن'' کے نام سے ۱۸۹۶ء میں میرٹھ سے شائع کیا۔ ۶۹ ان کا دوسرا اردو دیوان ''نور ایمان'' ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ ۷۰ ''نور ایمان'' میں بہت سے نعتیں شامل ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کے شرف و کمال اور حسن و جمال کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے، مولوی عبدالسمیع بیدل رام پوری کی نعتوں میں والہانہ سرمستی و سرشاری کے ساتھ تازگی و شگفتگی اور شاعرانہ حسن بیان بھی موجود ہے۔ ''نور ایمان'' میں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ اس میں حمد، نعت، منقبت، مولود شریف، معراج شریف، نور محمدی کی تخلیق، استحباب واستحسان محفل میلاد، فضائل درود و قرآن پاک، اتباع سنت، فضائل رمضان، منکرین محفل میلاد کے اعتراضات کا جواب، وقائع میلادِ نبی، دنیا کی بے ثباتی، شہادت امام حسن و حسین، منقبت غوث الاعظم وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

مولوی عبدالقادر بدایونی (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء-۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء) شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے انھوں نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے بیان میں اردو میں شاعری کی جو دو دواوین پر مشتمل ہے۔ دیوان اول ۱۲۹۹ھ میں مکمل ہوا۔ ۷۱ جس میں ۷۰ غزلیں ہیں جب کہ دیوان ثانی ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہوا۔ ۷۲ جو کہ ۳۲ غزلوں پر مشتمل ہے ۱۳۱۱ھ میں دونوں دواوین کو یکجا کر کے ''بہارستان منقبت'' کے نام سے مطبع اعجاز محمدی سے شائع کیا گیا۔ ۷۳ اس دیوان کا نام تاریخی ہے۔ اس سے پہلے یہ دونوں دیوان الگ الگ طبع ہو چکے تھے جیسا کہ سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

> ''ہر دو دیوان شریف سابقہ علیحدہ بحلیہ طبع مزین شدہ بودند۔ حالا ز تقاضئے شائقین و طلب طالبین ہر دو را یکجا نمودہ و مجموعہ را نام تاریخ دادہ۔'' ۷۴

''بہارستان منقبت'' ۸۸ صفحات اور ۱۹۲۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ دونوں دواوین کو بلحاظ قافیہ بترتیب حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے۔ دیوان اوّل میں اوّل تا آخر ایک ہی ردیف ''محبوب سبحانی'' اور دیوان دوم میں ردیف ''یا غوث'' ہے۔ مختصر ترین غزل ۱۱۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ ''بہارستان منقبت'' کے ہر مصرعے سے حضرت غوث الاعظم کے ساتھ مولوی عبدالقادر بدایونی کی والہانہ محبت، عقیدت واردات عیاں ہوتی ہے۔ انھوں نے غوث الاعظم کے فضائل و مناقب کے ساتھ ان کی کرامات اور ان کے روضے کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔ بزرگانِ دین کی مدح میں ان کی کرامات کا بیان اردو شاعری کا عام موضوع رہا ہے۔ مولوی عبدالقادر بدایونی

نے غوث الاعظم کی بہت سی کرامات کو منظوم کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ــــ دمِ افطارِ خواں نعمت غیب سے آیا ــ مثال من وسلوی آپ کی بہد خورش یا غوث ۷۵
شیرِ مادر رمضان میں نہ پیا تم نے کبھی ــ تھا وہ طفلی میں عیاں ترا تشرع یا غوث ۷۶

ــــ تحیر میں رہے سب، گود سے دایہ کے طفلی میں ــ زمین سے تا سما جب تو اوڑا محبوب سبحانی ۷۷
ہوا آب وضو سے تیرے، گھر میں شیخ ہلی کے ــ درخت خشک یکدم میں ہرا محبوب سبحانی ۷۸
مثال طور روشن کر دیا حق نے تری خاطر ــ شب دیجور میں تیرا عصا محبوب سبحانی ۷۹

مولوی عبدالقادر نے کرامات سے زیادہ آپ کے فضائل ومناقب کو بیان کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں: ــ

شمیم سے ہے تری معطر، سب اولیا کا دماغ یا غوث
شگفتہ ہے تیرے دم قدم سے، جہاں میں عرفاں کا باغ یا غوث
فیوض کا ہے یہہ تیرے جلوہ، کرم کا تیرے یہ پرتو ہے
چمک رہا ہے جو سارے عالم میں، اولیا کا چراغ یا غوث ۸۰

ــــ افراد میں ہوا کمل، اقطاب میں ہوا فضل ــ تم خیل اولیاء میں ہو، شاہباز یا غوث ۸۱

ــــ طریقت کے جو ہیں اشیاخ، یا محبوب سبحانی ــ وہ سب ہیں ترے برگ وشاخ، یا محبوب سبحانی ۸۲

بزرگان دین کی مدح میں، ان کے روضہ کی شان میں اشعار کہنا اردو شاعری کا عام موضوع رہا ہے۔ مولوی عبدالقادر نے اس روایت کی پیروی کی ہے اور غوث الاعظم کے فضائل وکرامات کے بیان کے ساتھ ان کے روضہ پاک کی تعریف وتوصیف میں بھی اشعار کہے ہیں، چند اشعار درج ذیل ہیں:

ــــ نظر خیرہ ہے جس کے نور سے، خورشید انور کی ــ ترے روضہ کا وہ پرنور روشن ہے کلس یا غوث ۸۳

خوشی سے کھل کھل کے گل ہوں غنچے تو مست خوشبو سے بلبلیں ہیں
کبھی جولائے صبا چمن سے تمھارے روضہ کی ریح یا غوث ۸۴

ــــ ہے ہر روزن سے روز وشب، فروزاں نور کا جلوہ ــ ترے روضہ کی کیا جالی ہے، یا محبوب سبحانی ۸۵

ے ہوا بغداد روضہ سے ترے، وہ پر ضیا شاہا بجا ہے خلد سے تمثیل ، یا محبوب سبحانی ۸۶

مولوی عبدالقادر نے فضائل و مناقب اور کرامات کو ہی بیان نہیں کیا بلکہ غوث الاعظم سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے، ان کے اشعار میں دوری و ہجر کی وجہ سے پائی جانے والی کسک بھی موجود ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ے بہت بے چین ہے، مضطر ہے طائر روح عاشق کا ہے اس کو ہند پر آشوب اب مثل قفس یا غوث ۸۷

ے شربت وصل پلا مجھ کو کہ فرقت میں ترے زندگی تلخ ہے اور عیش منغص یا غوث ۸۸

ے رہ بغداد میں شوق دلی ہے راہبر اپنا صدائے آہ نالہ عاشقوں کا ہے جرس یا غوث ۸۹
بری حالت ہے اب تو آپ کے، بیمار ہجراں کی دکھا دو روئے انور کی خدارا، ایک جھلک یا غوث ۹۰
بلا لو پھر مجھے بغداد میں اب دل کو ہے میرے مئے دو آتشہ کی چاہ یا محبوب سبحانی ۹۱

''بہارستان منقبت'' کی ایک خاص بات یہ ہے کہ دونوں دواوین کے مقطعے دعائیہ ہیں جن میں نزع کی تکلیف، عذاب قبر، روز محشر کی سختی سے نجات، ایمان کی سلامتی اور دشمنوں پر غلبے کی دعا کی گئی ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ے فقیر پریشاں کی امداد کرنا جہان سے ہو جب وقت ترخیص یا غوث ۹۲

ے گاہ فضل و کرم کیجیے اس عاجز پر تمھارے در کا یہ ادنیٰ فقیر ہے یا غوث ۹۳

ے فقیر قادری کی نزع میں ہو لطف سے تیرے زباں پر کلمہ توحید یا محبوب سبحانی ۹۴

دیوانِ ثانی کی پہلی غزل کے ہر شعر کا پہلا لفظ بلحاظ حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے۔ صرف الف سے ۱۱ اور ب سے ۷ اشعار کا آغاز ہوا ہے باقی تمام حروف سے تین تین شعر کہے گئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

الف ادا حضور کی ہو مجھ سے کیا ثنا، یا غوث کہ تم ہو عاشق و معشوق کبریا، یا غوث ۹۵
ب بلند سب سے کیا حق نے آپ کا رتبہ سب اولیا کا ترے در پہ سر جھکا، یا غوث
پ پڑی تھی جس پہ ذرا گرد، تیرے کوچے کی عذاب قبر سے اس شخص کے اٹھا، یا غوث

ت تجلیات کا تھا تجھ پہ، ابتدا سے ظہور کنار دایہ سے طفلی میں تو اُترا، یا غوث

ٹ ٹھکانا نار سقر میں ہے تیرے منکر کا وہ جنتی ہے جسے ہے تری ولا، یا غوث ۹۶

دیوان ثانی کی دوسری غزل صنعت طالب و مطلوب میں ہے، ہر شعر کا پہلا لفظ جس حرف سے شروع ہوا ہے قافیہ اس سے اگلے حرف سے شروع ہوا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ادب سے کرتا ہوں میں تم سے التجا یا غوث میں آپ کا ہوں، برا ہوں یا بھلا، یا غوث

بجا ہے، سر پر جو ہے ہر ولی کے تیرا قدم شہ رسل کا تری دوش پر ہے پا، یا غوث

پیالہ پ کے ترا ہی ہوئے ہیں سب اقطاب بھرا ہے فیض سے کیا میکدہ ترا، یا غوث ۹۷

''بہارستان منقبت'' حضرت غوث الاعظم سے مولوی عبدالقادر بدایونی کے والہانہ عشق و محبت کا اظہار ہے، ایک ہی موضوع پر اتنی بڑی تعداد میں اشعار لکھنا قدرت کلام کا واضح ثبوت ہے۔ انھوں نے وہی فضائل و مناقب اور کرامات نظم کیے ہیں جو مشہور کتب میں درج ہیں اور کسی طرح اسلامی اصول کے مخالف نہیں ،اور ایسا کوئی کلمہ نظم نہیں کیا جو شرع کے مخالف ہو۔ ۹۸

نام ور عالم دین شاہ ابوالحسن نوری (۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء۔۱۳۲۴ھ/۱۹۰۷ء) شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ شاہ ابوالحسن ابتدا میں سعید تخلص کرتے تھے بعد میں نوری تخلص کر لیا تھا۔ ۹۹ عربی و فارسی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کی۔ ''تخیل نوری'' عربی، فارسی اور اردو مجموعہ کلام ہے جو ۱۲۳۳ اشعار پر مشتمل ہے، ابتدا میں عربی کلام ہے جس میں ۱۸۱ اشعار ہیں۔ دوسرے حصے میں فارسی کلام ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۳۸۲ ہے اور تیسرا حصہ اردو کلام پر مشتمل ہے، اس میں کل ۱۷۰ اشعار ہیں۔ اردو کلام میں حمد، نعت اور تصوف کے علاوہ غزل کے روایتی مضامین موجود ہیں۔

اگرچہ ان کا اردو کلام نہایت مختصر ہے لیکن انداز بیان کے باعث اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے محبوب حقیقی کا ذکر غزل کے روایتی لب و لہجہ میں اس طرح کیا ہے:

دور آنکھوں سے ہیں اور دل میں ہے جلوہ ان کا ساری دنیا سے نرالا ہے یہ پردہ ان کا

دل کی آنکھوں سے کرے کوئی تماشا ان کا نگہ دیدہ ظاہر سے ہے پردہ ان کا

حشر کے غم میں مبارک ہو عدو کو ماتم عید ہے ہم کو کہ دیکھیں گے تماشا ان کا

دیکھ ہی لیں گے کسی شکل سے مشتاق لقا لاکھ پردوں میں رہے جلوۂ زیبا ان کا ۱۰۰

چھوڑ دو تھوڑی جگہ ہم کو بھی محشر والو دور سے دیکھنے آئے ہیں تماشا ان کا

ان کی شاعری کا اہم ترین وصف سادگی ہے جس میں سہل ممتنع کی خوبی پائی جاتی ہے چند اشعار

دیکھیں:

ـ ارمان مرے دل کا دل آزاد سے کہہ دو جو حال گزرتا ہے ستمگار سے کہہ دو ۱۰۱

ـ اگر تم محبت سے دیکھو کبھی تو ہو سب مصیبت گوارا مجھے
ترے در سے رہتا نہ ہرگز جدا جو ملنے کا ہوتا سہارا مجھے ۱۰۲
جس نگاہ لطف سے تم دیکھتے ہو سوئے غیر دیکھ لو میرے بھی احوال پریشاں کی طرف ۱۰۳

ـ یہ کیا کہا کہ نوؔر کو ہم جانتے نہیں پہچان کر بھی کہتے ہو پہچانتے نہیں ۱۰۴

شاہ ابوالحسن نوری کے کلام کا بڑا حصہ عشق حقیقی پر مشتمل ہے۔ عشق مجازی بھی ان کے کلام میں موجود ہے جس میں عشق مجازی کی مختلف کیفیات، محبوب کا ہرجائی پن، عاشق کی آرزوئیں، اضطراب اور ہجر کی بیقراری بھی پائی جاتی ہیں:

ـ مرگ عاشق کی خبر سن کر وہ یوں کہنے لگے روز کے درد و مصیبت سے چھٹا اچھا ہوا ۱۰۵

ـ جب بن گئی بیمار غمِ ہجر کے دم پر تب پوچھنے بیٹھے ہو کہ ہوتا ہے کہاں درد ۱۰۶

ـ نار فرقت نے جلا کر خاک مجھ کو کر دیا اب کہاں جاتے ہو میری خاک اے جاں چھوڑ کر
زار گریاں سینہ بریاں چاک داماں چھوڑ کر جاتے ہو کیوں اس طرح مجکو پریشان چھوڑ کر ۱۰۷
وہ اٹھائیں اپنے در سے اور میں ان کا منہ تکوں کیا کروں تجھ پر نہیں چلتا دل ناشاد بس ۱۰۸
نئی طرز ستم ہے یہ نئے انداز کی الفت مجھی کو قتل کرتے ہیں مرے ہی دل میں رہتے ہیں ۱۰۹

ـ ہم حالتِ دل ان سے چھپانے کو چھپالیں پر آنکھوں کی سرخی تو چھپائی نہیں جاتی ۱۱۰

شاہ ابوالحسن نوریؔ کا اردو مجموعہ کلام اگر چہ مختصر ہے لیکن اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، انھوں نے اپنی قلبی واردات کو خلوص و جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے، بقول ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی:

> ''بقامتِ کہتر و بہ قیمت بہتر کے مصداق یہ مختصر سا مجموعہ کلام اپنی قدر و قیمت میں گراں بہا ہے، اہل نظر اور اہل عقیدت تو اسے سرمۂ بصیرت، دل و نظر کا سرور ہی سمجھیں گے۔'' ۱۱۱

نامور عالم نواب صدیق حسن خان (۱۲۴۸ھ/۳-۱۸۳۲ء۔۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) عربی، فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے ابتدائے عمر میں روحی تخلص تھا۔ رئیسہ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم سے نکاحِ ثانی کے بعد ان کے اصرار پر نواب تخلص رکھا بعد میں اپنا تخلص توفیق پسند کیا۔۱۲؎ عربی میں نواب، فارسی اور اردو میں توفیق تخلص تھا۔۱۳؎

دیوان ''گل رعنا'' میں ۱۴۲ اردو غزلیں ہیں کل اردو اشعار کی تعداد ۳۲۸ ہے۔ مختصر ترین غزل ۵ اشعار اور طویل ترین غزل ۱۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ نواب صدیق حسن خان کی شاعری میں عشق کی مختلف کیفیات، ہجر کی بے قراری، وصل کی آرزو محبوب کے ناز و انداز، ناصح سے چھیڑ چھاڑ اور محبوب کے جور و جفا کا ذکر پایا جاتا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ اللہ ہی طبیب ہے مجھ درد مند کا — عاشق ہوا ہے درد مری بند بند کا ۱۴؎

؎ خدا ہی خیر کرے، ہے معاملہ دل کا — چلا ہے تاجر جان لے کے قافلہ دل کا ۱۵؎

جلتے رہے وہ گیسوے پر خم تمام شب — تھا ایک زمانہ درہم و برہم تمام شب ۱۶؎

؎ وہ تنگ آ کے شب وصل مجھے یوں بولے — الٰہی ہو گئی کم بخت کیسی بھاری رات ۱۷؎

وصل جاناں میں فزوں تر ہے مری بیتابی — درد کو میرے ترقی ہے دوا کے باعث

کاش میں جا کے وہاں شوخ بنوں خاطر خواہ — اور وہ کچھ کہہ نہ سکیں شرم و حیا کے باعث ۱۸؎

؎ کل صبر جو آیا تو کہا عشق نے حضرت — بس جایئے دشوار ہے اس گھر میں گزر آج ۱۹؎

؎ مرگ شیریں کی خبر سن کر موا — کوہ کن تف ہے تری تاخیر پر ۲۰؎

؎ برپا کریں نہ فتنہ کوئی دل کے آس پاس — بیٹھے ہیں درد و حسرت و غم مل کے آس پاس ۲۱؎

؎ ہم چلے راہ جنوں میں سر و ساماں سے الگ — تار دامن سے جدا چاک گریباں سے الگ ۲۲؎

ـ دیکھ بدمست مجھے مار کے ٹھوکر بولے ہم تو مستوں کو بھی ہشیار بنا لیتے ہیں ۱۲۳

ـ ہوا جو وصل میسر تو یہ ہوئی حسرت کوئی دن اور ابھی مشق آرزو کرتے ۱۲۴

دیوان گل رعنا میں مختلف صنائع بدائع کا استعمال پایا جاتا ہے جس سے جذب واثر اور حسن و دل کشی میں اضافہ ہوا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

صنعت تلمیح:

ـ کھینچتے ہیں صفحۂ دل پر شبیہ لائق بیعت ہیں اے بہزاد ہم ۱۲۵

ـ قیدِ الفت میں ہیں فرہاد نہ مجنوں باقی ہم رہے دام محبت میں گرفتار فقط ۱۲۶

صنعت مبالغہ:

ـ نہ اب زیادہ مرے دل کو بے قرار کرو زمیں نہ لوٹ دے اک دن یہ زلزلہ دل کا ۱۲۷

صنعت تجنیس مکرر:

ـ کہاں کہاں میں بچاؤں کہاں کہاں دیکھوں ہے خار زار محبت میں آبلہ دل کا ۱۲۸

ـ یہ راہ دشت نجد ہے مجنوں سنبھل کے چل یاں ذرہ ذرہ فتنہ ہے اور خار شوخ ۱۲۹

ـ اب ان کے ساتھ گزرتی ہے بے خطر توفیق مزے مزے کے ہیں ایام پیاری پیاری رات ۱۳۰

صنعت سوال وجواب:

ـ جوان سے خواہش دل عرض کی، یوں بولے کہ ہم نے آج عجب ڈھب کا خوش بیاں دیکھا ۱۳۱

ـ کہا جو میں نے دکھائیں گے کچھ اثر، تو کہا یہ نالہائے ضعیف اور یہ ناتواں فریاد ۱۳۲

صنعت سیاقۃ الاعداد:

ـ بوسے دے کر دل مضطر کو ذرا بہلا لو کوئی دس بیس نہیں بس یہی دو چار فقط ۱۳۳

صنعت تضاد:

بے شبہ ہے فقیر سے عزت امیر کی　　پستی اگر نہ ہو تو شرف کیا بلند کا ۱۳۴

میخانۂ زمانے کے ساقی ہیں عیش و غم　　شیریں ہے کوئی جام تو ہے کوئی جام تلخ ۱۳۵

رعایت لفظی:

دو مجھے تعزیر، پر یہ تو کہو　　کس خط پر کون سی تقصیر پر ۱۳۶

بجائے بلبل شیدا کے خاک اُڑتی ہے　　نہ گل رہا نہ چمن اور نہ باغباں محفوظ ۱۳۷

محاورات کا استعمال بھی پایا جاتا ہے چند اشعار درج ذیل ہیں:

لاکھوں بلند رتبہ پھنسائے ہیں دام میں　　عالی ہے کیا مزاج تمہاری کمند کا ۱۳۸

خدا ہی خیر کرے، ہے معاملہ دل کا　　چلا ہے تاجر جاں، لے کے قافلہ دل کا ۱۳۹

چلا ہے روز قیامت برابری کرنے　　تو کوئی کھیل تماشا ہوئی ہماری رات ۱۴۰

لے چلتے ہو کیوں حضرت دل کوئے بتاں میں　　کیا خاک مجھے آپ وہاں شاد کریں گے ۱۴۱

شاہ احمد سعید مجددی کے پوتے شاہ محمد معصوم (۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء۔۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا اہم موضوع عشق رسول اللہ ﷺ ہے۔ کلام میں عشق مجازی بھی موجود ہے جس میں محبوب کے حسن و جمال، جور و جفا، ہجر کی بے قراری، وصل کی آرزو کو بیان کیا ہے۔ شاہ محمد معصوم مجددی کا فارسی و اردو کلام ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں مطبع فیض الکریم، حیدرآباد دکن سے ''انتخاب معصوم'' کے نام سے شائع ہوا، جو ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، شاہ معصوم نے ۱۳۰۰ھ میں یہ دیوان ترتیب دیا اس کا نام تاریخی ہے جس سے اس کا سن ترتیب برآمد ہوتا ہے۔۱۴۲ صفحات ۷ تا ۲۲ فارسی غزلیات پر مشتمل ہیں جب کہ صفحہ نمبر ۲۴ سے اردو کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ اردو کلام ۸۵ غزلیات، ایک قطعہ، ایک خمسہ بر غزل شاہ محمد عمر اور ایک مثنوی در نعت شریف پر مشتمل ہے۔ ''انتخاب معصوم'' کا آغاز گیارہ (۱۱) اشعار پر مشتمل غزل سے ہوتا ہے جس میں حمد و ثنا کی گئی ہے، چند اشعار درج ذیل ہیں:

ـ مطلع ہو مرادل افق مہر قدم کا — گنجینۂ اسرار ہو، مخزن ہو نعم کا
جو جوش پہ آیا تھا ترا بحر کرم کا — بیدار ہوا بخت وہیں خفتہ عدم کا
عاجز ہے تری ذات کے ادراک سے مخلوق — کب پہنچے وہاں رتبہ تعقل کے قدم کا ۱۴۳

شاہ محمد معصوم نے عشق رسول ﷺ، مدینہ منورہ اور روضۂ رسول کے شوق زیارت اور مکہ مدینہ سے دوری اور ہجر کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ نعتِ رسول مقبول ﷺ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ـ جبذ اصلی علی صدر العلی یہ ہی تو ہیں — تاجدار ہل اتی شمس الضحیٰ یہ ہی تو ہیں
جلوہ نور خدا بدرالدجی یہ ہی تو ہیں — دیکھیے حضرت محمد مصطفیٰ یہ ہی تو ہیں
دستگیرِ بے کساں و چارہ ساز عاشقاں — شافعِ کل عاصیاں روز جزا یہ ہی تو ہیں
مقتدائے انبیاء و پیشوائے اولیاء — بادشاہ دوسرا خیرالوریٰ یہ ہی تو ہیں ۱۴۴

خانۂ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق اور ان سے دوری و جدائی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ـ صدمے ہجراں کے شب و روز اٹھائیں کب تک — ہند سے ہم کو مدینے میں بلائیں کب تک
شوقِ دیدار میں حضرت کے تڑپتا ہوں مدام — دیکھیے صورتِ زیبا وہ دکھائیں کب تک
مرض عشق و محبت ہے نبی کا ہم دم — ہو گی صحت نہ کبھی مجھ کو دوائیں کب تک
مطلعِ نور تجلی میں ہو صبح امید — شب فرقت کی یہ ظلمت یہ گھٹائیں کب تک
دل میں رہتی ہے شب و روز اس کی حسرت — اپنے دربار میں ہم کو وہ بلائیں کب تک ۱۴۵

ـ یارب بسوئے وادی یثرب سفر کروں — خاکِ در رسول کو کحل البصر کروں
گر کچھ ہجومِ شوق میں گریہ سر کروں — عالم کو آہ و نالہ سے زیر و زبر کروں
دل میرا اشتیاق مدینہ سے ہے تپاں — کیونکر زمینِ ہند میں حضرت بسر کروں ۱۴۶

حضرت مجدد الف ثانی کی مدح میں بھی دو غزلیں کہی ہیں جو مجدد الف ثانی کے ساتھ ان کے قلبی تعلق کو ظاہر کرتی ہیں، اشعار ملاحظہ ہوں:

ـ نبی کے ظل کا تھا نقشہ مجدد الف ثانی کا — ہے کتنا رتبہ اعلیٰ مجدد الف ثانی کا
شبستانِ ولایت کے وہی ماہ درخشاں ہیں — جہاں میں نور ہے پھیلا مجدد الف ثانی کا
صفات و ذاتِ حق کے تھے معارف کس قدر راز بر — قلم تھا کاشف معنی مجدد الف ثانی کا

سیاہی کفر و بدعت کی جہاں میں بہت ہے پھیلی — خدا نے جلوہ دکھلایا مجدد الف ثانی کا ۱۴۷

''انتخاب معصوم'' میں کثیر تعداد میں ایسی غزلیں پائی جاتی ہیں جن میں سوز و گداز عشق، محبوب کے جور و جفا، وصل کی حسرت اور ہجر کی بے قراری کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے محبوب کے حسن و جمال آرا کا یہ عالم ہے:

ے مہر تاباں سے زیادہ ہے جمال دلبر — کون ہم سر ہے کہ دیں اس سے مثالِ دلبر ۱۴۸

ے یہ مہر و ماہ کیا ہیں رونق بزم جہاں تو ہے — ترے چہرے کے آگے کچھ نہیں رتبہ گلستاں کا ۱۴۹

ے گر ہمارے گل بدن کو دیکھ پائے عندلیب — عشق گل کا اپنے دل سے بھول جائے عندلیب
گر حنائی ہاتھ تیرا دیکھ پائے عندلیب — شاخ گل کو آہ سوزاں سے جلائے عندلیب ۱۵۰
تو وہ خوش قد ہے کہ دیکھا جو چمن میں تجھ کو — تیری قامت پہ فدا ہونے شمشاد آیا ۱۵۱

ے ترے عارض کے آگے کچھ نہیں ہے مہر کا رتبہ — مقابل روے تاباں کے قمر ہووے تو میں جانوں ۱۵۲

لیکن ان کا محبوب ہر جائی ہے اس کے جور و جفا اور بے پروائی کو بھی بیان کیا ہے:

ے کب وہ سنتا ہے تغافل سے ہماری فریاد — بن کے انجان کہا کرتا ہے کس کی فریاد ۱۵۳
فغان و آہ و نالہ کیا شب کو بار بار — کروٹ بھی لی نہ، اس نے ہمارے جواب میں ۱۵۴
اوروں کو خم پہ خم تو پلاتا ہے ساقیا — چلو اِدھر نہیں کوئی چھینٹا اِدھر نہیں ۱۵۵

ے کیونکر نہ زخم دل مرے سینے سے ہوں نمود — ہو غیر پاس ہاتھ میں پھولوں کا دستہ ہو ۱۵۶

نہ چیخوں میں تو جاں دے دوں، کی اوروں سے سرگوشی
غضب ہے پھر کہ کہتے ہو، کہ تم گرم فغاں کیوں ہو ۱۵۷

ان کی شاعری میں عشق کی بے قراری بھی پائی جاتی ہے جس میں دھیمی دھیمی کسک ہے:

ے اضطراب دلِ مضطر میں دکھاؤں کیونکر — برق میں کب وہ تڑپ شمہ بھی سیماب نہیں
چارہ گر گرم فغاں ہوں نہ کہاں تک کہ مجھے — طاقتِ ضبط نہیں گریہ کی اب تاب نہیں ۱۵۸

ان کی شاعری میں ہجر و فراق کی کیفیت کا اظہار جا بجا پایا جاتا ہے، چند اشعار درج ذیل ہیں:

ـ چشم میری پر آب ہے تجھ بن　　دل و سینہ کباب ہے تجھ بن
ایک نالہ سے ہل گیا عالم　　دیکھ کیا اضطراب ہے تجھ بن
صدمے دوری کے کیا کہوں اے جان　　غم و الم بے حساب ہے تجھ بن
تو جو آئے میں رہوں زندہ　　زندگی سے جواب ہے تجھ بن ۱۵۹

میں تو رہتا ہوں تجھ پہ ہمیشہ فدا، مرے دل میں نہیں کوئی ترے سوا
مرے پاس تو آ کبھی بہر خدا، ترے عشق میں جلتا ہے میرا جگر
مرے دل میں ہمیشہ ہے دردفزوں، مرے پاس تو آ کبھی بہر سکوں
نہیں ہوتا ہے اب کوئی دن میں جنوں، کبھی رحم تو کر مرے رشک قمر
ترا عاشق خستہ ہے تجھ سے جدا، اوسے جلوہ دکھادے تو ذرا
تری دوری نے اوس کو تباہ کیا، تجھے حال کی اس کے بھی کچھ ہے خبر ۱۶۰

انتخاب معصوم میں صنائع وبدائع کا استعمال پایا جاتا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

تجنیسِ مکرر:

ـ جل جل کے نارِعشق سے ہم خاک ہوگئے　　یہ ہے مآل عشق کہ اب پاک ہو گئے
کرتے ہیں لحظہ لحظہ گریبان کو تار تار　　وحشت میں ہاتھ پاؤں سے چالاک ہو گئے ۱۶۱

ـ نامہ کے پرزہ پرزہ ہیں قاصد کے بند بند　　افسوس کیا لکھا تھا اسے اضطراب میں ۱۶۲

تجنیس تام:

ـ چھیڑ دیکھو، وہ مجھے دیتے ہیں فرش کم خواب　　خود ہی کمخواب ہوں میں، حاجت کمخواب نہیں ۱۶۳

اغراق:

ـ حال دل میرا نہیں ہے قابلِ اظہارِ خلق　　ورنہ ہر فرد بشر نالہ کناں ہو جائے گا ۱۶۴

تلمیح:

ـ یاں دل میں نظر آتے ہیں کچھ اور ہی عالم　　کیا سامنے رتبہ ہے مرے ساغر جم کا ۱۶۵

- حسنِ تصویر تصور جو ہمارا دیکھا　　بہر بیعت کبھی مانی کبھی بہزاد آیا ۱۶۶؎

- کوئی کہہ دے زلیخا سے کہ دیکھے چشمِ حسرت سے　　فزوں تر حسن یوسف سے ہے جلوہ میرے جاناں کا ۱۶۷؎

التفات:

- مرتا ہوں میں تو تجھ پہ تو ہے اور پر فدا　　اچھی ہے کس کی دیکھ تو اے ماہ رو پسند ۱۶۸؎
کیا غضب کرتے ہو، کھولو تم نہ اپنی زلف کو　　ایک عالم کا بھی دیکھو زیاں ہو جائے گا ۱۶۹؎

صنعتِ تضاد:

- اب تو مرنا ہے مجھ کو عین ثواب　　اور جینا عذاب ہے تجھ بن ۱۷۰؎

تجاہل عارفانہ:

- ابھی احباب میں بیٹھا تھا بہت خوش میں تو　　رہ گیا دل کو پکڑ کر مجھے کیا یاد آیا ۱۷۱؎

روزمرہ ومحاورے کے استعمال کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- آ کبھی تو مزار پر میرے　　کیسی مٹی خراب ہے تجھ بن ۱۷۲؎

- برا کہتا ہے منہ کی کھائے گا تو　　سمجھتا کیا ہے ناصح میری جاں کو ۱۷۳؎

- خدا سمجھے گا، ہاتھوں سے ستاتے ہیں یہ کس کس کو　　کبھی پھاڑ اگریباں کو کبھی اس گل کے دامن کو ۱۷۴؎

- پانی پانی سحاب ہوتے ہیں　　میرے طوفانِ چشمِ تر کو دیکھ ۱۷۵؎

- تا زیست جگہ دی ہے انھیں دیدۂ دل میں　　کس منہ سے کروں حسرت وارماں کی شکایت ۱۷۶؎

شاہ محمد معصوم نے اپنے جذبات واحساسات کو عام فہم انداز میں بیان کیا ہے ان کے کلام میں سہل ممتنع کی خوبی پائی جاتی ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

- وہ تو آساں جان کر، دو دن کا وعدہ کر گئے　　ایک ساعت بھی جدائی میں یہاں اک سال ہے ۱۷۷؎

رہتا ہوں جس کی یاد میں ہر وقت مضطرب　　افسوس میرے حال کی اس کو خبر نہیں ۱۷۸
میرے گھر کا چراغ تو اک تو ہے　　میرا خانۂ خراب ہے تجھ بن
کوئی دل میں نہیں سوا تیرے　　ساری دنیا خراب ہے تجھ بن ۱۷۹

خواہش نہیں ہے مجھ کو کسی کی جہان میں　　دل کو ہے میرے اب تو فقط تو ہی تو پسند ۱۸۰

کہیں کیا شب ہجر کا حال یارو　　ہزاروں بلاؤں کو ہم دیکھتے ہیں ۱۸۱

ناصحا کس کو ہے خوفِ محشر　　ایسے ہنگامے ہوا کرتے ہیں ۱۸۲

تصویر نے پری رویوں کے دیوانہ بنایا ہے　　نہ جی لگتا ہے صحرا میں نہ دل لگتا ہے گلشن میں ۱۸۳

اردو غزلیہ شاعری کا ایک اہم نام مولوی حسن رضا خان (۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء۔۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء) کا ہے جنھوں نے داغ دہلوی کے رنگ کلام کی پیروی کی۔ حسن رضا خان نے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی لیکن ان کی وجہ شہرت غزل گوئی ہے۔ ان کے دیوان میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جن میں ندرتِ ادا کی خوبی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے بعض پامال مضامین کو اچھوتے ڈھنگ سے پیش کیا اس کے علاوہ ان کی شاعری میں جدت خیالات اور معنی آفرینی کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری پر داغ دہلوی کا اثر بھی پایا جاتا ہے معشوق کی عشوہ طرازی، شوخی و شرارت، وصل کی خوشی موجود ہے لیکن ان تمام کیفیات میں اعتدال و توازن، وقار و متانت ہے۔ چند اشعار بطورِ نمونہ درج ذیل ہیں:

چڑھاؤ آستیں، خنجر نکالو　　یہ چپکے چپکے مجھ کو سنا کیا ۱۸۴

وائے تقدیر کہ تم اس کو حنا سمجھے ہو　　چٹکیوں میں ملا جائے مرا دل ہے وہی ۱۸۵
دادِ شوریدہ سری کس سے ملے گی یارب　　جس جگہ میں ہوں وہاں در نہیں دیوار نہیں ۱۸۶
جلوے ترے رونقِ بازار ہو گئے　　خوبانِ نور فروش خریدار ہو گئے ۱۸۷

اگرچہ حسن رضا داغ کے شاگرد تھے لیکن مذہبی تربیت کی وجہ سے سوقیت و عریانیت، رندی اور ہوس ناکی سے پہلو تہی اختیار کی ان کا مذاق شعر پاکیزہ ہے۔ حسن رضا خان صفائی بیان اور فصاحت کلام کے اعتبار سے

اردو شاعری میں منفرد مقام کے حامل ہیں، صنائع و بدائع کا برمحل استعمال ان کے کلام کی اہم خوبی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ داغ دہلوی کے تلامذہ میں حسن رضا خان امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ۱۸۸ اُن کی شاعری کا تفصیلی مطالعہ آئندہ کسی موقع پر پیش کیا جائے گا۔

اردو نعتیہ شاعری کا نہایت اہم اور مقبول ترین نام شاہ احمد رضا خان (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا ہے، انھوں نے اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی میں بھی نعتیں لکھیں، تبحر علمی، زورِ بیان، وابستگی وعقیدت کے عناصر نے گھل مل کر ان کے کلام میں خوشگوار امتزاج پیدا کیا ہے، پیکر تراشی، نازک خیالی، بے ساختگی و والہانہ پن، تشبیہات واستعارات کی تازہ کاری اور مترنم الفاظ کا استعمال ان کی شاعری کے نمایاں اوصاف ہیں۔

علمائے دین کی شاعری حمد، نعت، منقبت اور تصوف تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں عشق مجازی کی مختلف کیفیات، دوری و ہجر کی بے قراری، وصل کی آرزو، رقیب سے حسد، واعظ، ناصح وزاہد سے چھیڑ چھاڑ، محبوب کا حسن و جمال، اس کی بے رخی اور اخلاقی مضامین وغیرہ کو بھی بیان کیا ہے، کہیں کہیں موضوعات کی تازگی بھی ہے زیادہ تر روایتی مضامین ہیں لیکن فنی حسن کاری نے ان میں غیر معمولی تازگی پیدا کی ہے، اصناف سخن اور شعری ہیئت میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، مسدس، مخمس، مربع، مستزاد، ترجیع بند، ترکیب بند، رباعی، قطعہ ان تمام ہی اصناف اور ہیئتوں میں طبع آزمائی کی اور اردو شعری سرمائے میں گراں قدر اضافہ کیا۔

علمائے دین نے صحیح مذاق سخن کے فروغ میں بھی اہم خدمات سرانجام دیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں دہلی کے اہل کمال کی علمی صحبتوں اور ادبی مجلسوں میں علمائے دین کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ مفتی صدر الدین آزردہ، مولوی عبداللہ دہلوی اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولوی عبداللہ دہلوی (م ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) اردو میں شاعری کرتے تھے، تخلص علوی تھا ۱۸۹ حکیم عبدالحئی نے ''گل رعنا'' میں دہلی مجالس شعر وادب کے سخن وران باکمال کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبداللہ دہلوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۹۰ قادر بخش صابر مولوی عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ہر چند ریختہ کے طرف مشہور ہونا ایسی عالی فطرت کی استعداد کا ننگ تھا۔۔۔ گاہ گاہ کسی مخلص قدیم کی تحریک سے دو چار شعر ریختہ میں بھی موزوں کرتے تھے۔'' ۱۹۱

اردو شاعری میں سادہ گوئی کی روایت کو مقبول بنانے میں بھی علمائے کرام کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ ممنون نے جدید اردو شاعری کی جو تحریک چلائی مفتی صدر الدین آزردہ نے اس کی حمایت وترویج میں کردار ادا کیا۔ غالب کو طرز بیدل سے سادہ گوئی کی طرف مائل کرنے میں مولوی فضل حق خیر آبادی کے علاوہ

مفتی صدر الدین آزردہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

بقول کلب خان فائق رامپوری:

> ''آزردہ نے غالب کو طرز بیدل سے ہٹا کر اردو شاعری پر بڑا احسان کیا اس لیے کہ جدید اردو شاعری کی تحریک ممنون نے چلائی اور آزردہ نے اس کی حمایت میں پوری مساعی حسنہ سے کام لے کر ایک نیا جوڑ اردو شاعری میں پیدا کیا۔''۱۹۲

بقول امداد صابری:

> ''مرزا غالب مفتی صاحب کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے تھے لیکن مفتی صاحب مرزا غالب کی شاعری کی خاص طرز کو جو انھوں نے شروع میں اختیار کی تھی، پسند نہیں کرتے تھے۔ مفتی صاحب عام فہم اشعار کو پسند کرتے تھے مرزا غالب کا کلام ادق اور عام فہم نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ اس کو سن کر اکثر الجھتے تھے اور ان کے اس طریقے پر ہمیشہ اعتراض کرتے تھے۔''۱۹۳

انیسویں صدی میں دہلی میں صحیح مذاق سخن کے فروغ میں مفتی صدر الدین کی مساعی گراں قدر ہیں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور مفتی صدر الدین آزردہ کے ہاں ہر ہفتے باری سے مشاعرہ ہوتا تھا، اہل کمال اس میں جمع ہو کر لطفِ سخن اٹھاتے تھے۔ غالب، حسرتی، مومن اور دیگر شعرائے دہلی سے آپ کے بہت اچھے تعلقات تھے۔۱۹۴

(۳)

اردو شاعری کے علاوہ اردو نثر کے فروغ و ارتقا میں بھی علمائے کرام نے اہم خدمات سرانجام دیں۔ انھوں نے مذہبی موضوعات کے علاوہ تاریخ، سوانح، تذکرہ، لغت نویسی، میلاد نگاری اور سیرت النبی پر کتابیں تصنیف کیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں میلاد نگاری اور سیرت النبی اردو نثر کے اہم و مقبول موضوعات تھے۔ علمائے دین نے ان اصناف کو وقیع اور ثروت مند بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ علمائے دین کے علاوہ دیگر افراد نے بھی ان موضوعات پر قلم اٹھایا لیکن فرق یہ ہے کہ علمائے دین نے سنی سنائی روایات کو بیان کرنے کی بجائے عربی کی مستند و معتبر کتب واحادیث مبارکہ سے براہِ راست استفادہ کیا جس کی وجہ سے یہ تصانیف آئندہ اس موضوع پر لکھنے والے افراد کے لیے نہ صرف مشعل راہ و کارآمد ثابت ہوئیں بلکہ ان اصناف کو مضبوط بنیادیں بھی فراہم ہوئیں۔ اس ضمن میں مفتی عنایت احمد کاکوروی کی ''تواریخ حبیب الہ''، مولوی صبغت اللہ مدراسی کی ''فوائد بدریہ''، مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی کی ''الباقیات الصالحات فی مولد اشرف المخلوقات''، شاہ رؤف

احمد کی ''مرغوب القلوب فی معراج المحبوب''، آل حسن موہانی کی ''مولود مصطفوی''، مولوی نقی علی خان کی ''سرور القلوب فی مولد المحبوب''، حسن رضا خان کی ''نگارستان لطافت''، عبداللہ مدراسی کی ''ربیع الانوار فی مولد سید الابرار''، مولوی حبیب الرحمٰن شروانی کی ''ذکر حبیب'' اورنواب صدیق حسن خان کی ''الشمامۃ العنبر یہ من مولد الخیر البریہ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میلاد نامے اور سیرت النبی ﷺ پر لکھی جانے والی کتابیں بلاشک وشبہ مصنفین کی عقیدت ومحبت کا والہانہ اظہار ہیں لیکن انیسویں صدی عیسوی میں یہ کثیر تعداد میں اس لیے بھی لکھی گئیں کہ دو مکتبہ فکر میلاد کو بدعت اور مکروہ کہتے تھے، ان کا رد کرنے کے لیے بھی کثیر تعداد میں مولود نامے لکھے گئے۔

علمائے دین نے لغت نویسی اور علم جغرافیہ کی طرف بھی توجہ دی ، مفتی غلام سرور لاہوری (۱۲۴۴ھ/۱۸۳۷ء۔۱۳۵۷ھ/۱۸۹۰ء) نے ''زبدۃ اللغات'' میں عربی، فارسی، یونانی اور ترکی الفاظ کے اردو میں معنی بیان کیے ہیں۔ اٹھائیس ابواب پر مشتمل یہ لغت مفتی صاحب کی فنی مہارت کا ثبوت ہے اس میں ہر حرف لغت کے آخر میں ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے تا کہ قوانی کی ترتیب قائم رہے، اس طرح یہ لغت قوانی وردیف کا بیش بہا خزانہ ہے۔ مفتی غلام سرور نے اس لغت کی تیاری میں برہان قاطع، منتخب رشیدی، صراح اور غیاث اللغات سے استفادہ کیا۔[۱۹۵] مولوی عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی (و۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء) نے ''خلاصہ علم جغرافیہ'' لکھی اور اس میں کم وبیش ۶۶ ممالک کا ذکر کیا۔ ہر ملک کے بیان میں اس کا محل وقوع، رقبہ، آبادی، آب وہوا، زراعت، معدنیات، مذاہب اور آبادی وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ چوں کہ یہ کتاب طالب علموں کے لیے لکھی گئی اس لیے اس میں اختصار وجامعیت کو بطور خاص پیش نظر رکھا گیا ہے۔[۱۹۶] مشکل الفاظ سے گریز اور اختصار وجامعیت اس کی نمایاں خوبی ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی ''بہارستان تاریخ'' اور ''تاریخ مخزن پنجاب'' میں بھی متنوع معلومات موجود ہیں۔

جنوبی ہند کی اردو نثر نویسی کے حوالے ایک اہم نام مولوی محمد صبغت اللہ مدراسی (۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء۔۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) کا ہے جب شمال کی اردو نثر فارسی عبارت آرائی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اس وقت مولوی صبغت اللہ مدراسی نے بول چال کی عام زبان میں خیالات کا اظہار کر کے مولوی محمد باقر آگاہ کی نثری روایت کی توسیع کی۔ انھوں نے اردو زبان میں تفسیر، حدیث، فقہ، سیر، اخلاق، مناسک اور عقائد کے موضوع پر عام فہم، سادہ وسلیس بول چال کی زبان میں ۱۳ کتابیں لکھیں۔[۱۹۷] مولوی محمد صبغت اللہ کی نثر دکنی اردو کے اثرات اور چند مخصوص تلفظ کے باوجود آج بھی تازہ ہے۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی نثر کا براہ راست رشتہ جدید نثر نویسی کی روایت سے قائم ہے۔ چوں کہ مولوی محمد صبغت اللہ کی زبان تدریجی ارتقا کے لحاظ سے مولوی محمد باقر

آ گاہ کی زبان سے زیادہ صاف تھی اس لیے بہت جلد محمد باقر آ گاہ کی جگہ ان کی کتابوں نے لے لی۔١٩٨
بقول نصیر الدین ہاشمی:

"قاضی بدر الدولہ نے زبان اردو کی جو خدمت انجام دی ہے وہ فراموش نہیں ہوسکتی اب تک ان کی تصانیف کا مروج رہنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ ایک صدی بعد بھی وہ اسی طرح قابل قدر ہیں۔"١٩٩

اردو سیرت نگاری کی تاریخ میں ایک اہم نام مفتی عنایت احمد کاکوروی (١٢٢٨ء/١٨١٢ء۔١٢٧٩/١٩٦٣ء) کا ہے۔انھوں نے جزائر انڈیمان میں محض یادداشت کی بنیاد پر اصل ماخذ کی عدم موجودگی کے باوجود اردو میں سیرت رسول بنام "تواریخ حبیب الہ" لکھی جس کا شمار شمالی ہند کی قابل ذکر کتب سیرت رسول میں ہوتا ہے۔٢٠٠ بقول ڈاکٹر انور محمود خالد:

"مصنف کی یہ کوشش کہ اس نے محض حافظہ کی مدد سے ١٧٦ صفحات کی ایک کتاب سیرت کے موضوع پر لکھ دی۔ یقیناً قابل تحسین اور پھر از راہ احتیاط امہات کتب سیرت واحادیث سے اس کا مقابلہ کر کے اسے مستند بنانا بھی قابل تعریف ہے۔"٢٠١

مستند معتبر حالات وروایات پر مشتمل یہ سیرت سادہ ورواں زبان میں لکھی گئی ہے جس میں روزمرہ کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

"مادہ خر سواری حلیمہ کی بسبب لاغری کے چل نہیں سکتی تھی، جب آپ ساتھ حلیمہ کے اوس پر سوار ہوئے ایسی تیز رفتار ہوگئی کہ سب قافلے کی سواریوں سے آگے جاتی تھی اور جب حلیمہ کے گھر آپ پونچے بہت فراخی عیش حلیمہ کو حاصل ہوئی، بکریاں اون کی خوب تازہ فربہ ہوگئیں اور قوم قحط میں مبتلا تھی اون کے مویشی جنگل سے بھوکے آتے تھے اور لاغر تھے، وہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تھے کہ تم بھی بکریوں کو وہیں چراؤ جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں دیکھو کیسی سیر آتی ہیں اور تازہ فربہ ہیں۔"٢٠٢

تواریخ حبیب الہ کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ مصنف نے غیر ضروری تفصیلات سے گریز اور احادیث مبارکہ کی معتبر کتب سے اخذ کردہ روایات سے استفادہ کیا ہے اس سے قبل عموماً روایات کے اسناد پر خاص توجہ نہیں دی جاتی تھی اور بہت سی نامعتبر روایات بھی لکھ لی جاتی تھیں۔٢٠٣ مفتی عنایت احمد کاکوروی نے معتبر کتب سے سیرت رسول پاک سے تمام پہلوؤں کو جامعیت سے سلیس زبان میں بیان کیا۔
"تواریخ حبیب الہ" اپنے موضوع کے حوالے سے معتبر کتاب اور تمام پہلوؤں پر محیط ہے اسی لیے اردو سیرت نگاری میں بلاشبہ یہ ایک اہم اضافہ ہے جس کے ذکر کے بغیر یقیناً اردو سیرت نگاری کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔بقول ڈاکٹر انور خالد محمود:

''مفتی عنایت احمد کی کتاب ''تواریخ حبیب الہ'' زبان و بیان کے اعتبار سے دور جدید میں داخل ہوتی نظر آتی ہے جہاں ''ریاض السیر'' اور ''فوائد بدریہ'' پر دکنی (قدیم اردو) لب ولہجہ غالب تھا وہاں تواریخ حبیب الہ اس لب ولہجہ سے مبرا ہے اور اپنا مخصوص نثری آہنگ رکھتی ہے۔ جملوں کی ساخت، لفظوں کا استعمال اور عبارت کی شیرازہ بندی کافی ترقی یافتہ ہے کہیں کہیں طرز بیان مشکل بھی ہے بالخصوص ان مقامات پر جہاں مصنف نے عربی عبارت کو ہو بہو اردو میں منتقل کیا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی اس کتاب کا اسلوب صاف، سہل، رواں اور خوش گوار ہے۔ ''فوائد بدریہ'' کے مقابلے میں ''تواریخ حبیب الہ'' میں مواد کم ہے لیکن یہ کمی گراں نہیں گزرتی کیوں کہ مصنف نے مواد کی فراہمی میں اجمال سے کام لیا ہے اور غیر ضروری تفصیلات سے پرہیز کیا ہے اسی وجہ سے مفتی عنایت احمد کا اسلوب بیان چست بھی ہے اور متحرک بھی۔ مفتی صاحب لفظوں کے استعمال میں کفایت کے قائل ہیں اس صفت نے بھی ان کے طرز بیان کو دل نشین بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔''۲۰۴

پروفیسر آفتاب احمد نقوی اس کتاب کو مفتی عنایت احمد کا لافانی شاہ کار قرار دیتے ہیں۔۲۰۵

علمائے دین نے سوانح نگاری کی صنف پر بھی طبع آزمائی کی۔ مولوی محمد یعقوب نانوتوی (۱۲۴۹ھ/۱۸۲۴ء۔۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) نے مولوی محمد قاسم نانوتوی کی جامع سوانح عمری ''حالات طیب جناب مولوی محمد قاسم نانوتوی مرحوم'' کے نام سے لکھی۔ اس رسالے کی اولین اشاعت ۷/شوال ۱۲۹۷ھ مطبع صادق الانوار بھاول پور میں حافظ عبدالقدوس کے اہتمام سے ہوئی۔۲۰۶ اس میں مولوی محمد قاسم کی ولادت بچپن، تحصیل و تکمیل علوم، اخلاق و عادات، ریاضت، ملازمت، دارالعلوم دیوبند کا قیام، ہندوؤں سے مباحث و مناظرے، وفات اور اولاد وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اہم ماخذ کی حیثیت کی حامل ہے۔ مولوی محمد یعقوب نے جذباتیت سے گریز کرتے ہوئے حالات و واقعات کو عام فہم زبان میں تحریر کیا ہے۔ مولوی محمد یعقوب نے مولوی محمد قاسم سے اپنے روابط وتعلقات کو بھی مناسب مقام پر بیان کیا ہے۔ اس رسالہ کی دو بنیادی خصوصیات ہیں:

۱۔ مولوی محمد یعقوب نے اس رسالے میں جو کچھ لکھا اس میں سے بیشتر حالات و واقعات کے وہ چشم دید گواہ ہیں علاوہ ازیں بچپن سے وہ مولوی محمد قاسم نانوتوی کے ساتھ تھے۔ مولوی محمد قاسم کے بچپن، اخلاق وعادات، ریاضت وغیرہ کے بارے میں انھوں نے جو تفصیلات تحریر کیں وہ بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

۲۔ اس رسالے کی زبان نہایت سادہ و رواں اور عام فہم ہے واقعات و حالات کے بیان میں جذباتیت کا غلبہ نہیں پایا جاتا۔ ایک اقتباس بطور نمونہ درج ذیل ہے:

''اوس طوفان بے تمیزی میں جب لوگ گھبراتے تھے۔ ہم نے کبھی مولانا کو گھبراتے نہ دیکھا خبروں کا

اس وقت میں چرچا تھا۔ جھوٹی سچی ہزاروں گپ شپ اڑا کرتی تھی مگر مولوی صاحب اپنے معمولی کام بدستور انجام فرماتے تھے چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آ گئی۔ اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ۔ ایک بار گولی چل رہی تھی یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا گولی لگی ایک بھائی دوڑے پوچھا کیا ہوا فرمایا سر میں گولی لگی عمامہ اتار کر سر جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون تمام کپڑوں پر گرا ہوا تھا۔" ۲۰۷

بقول ایوب قادری:

"یہ مختصر سا رسالہ ہے مگر زبان و بیان اور حالات و واقعات کے اعتبار سے یہ رسالہ بار بار چھپتا رہا ہے۔" ۲۰۸

علمائے کرام نے عربی و فارسی زبان سے تاریخ نگاری پر مشتمل کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ قاضی احتشام الدین مراد آبادی (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۲ء) نے ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور فارسی تاریخ "منتخب التواریخ" کا بامحاورہ رواں سادہ و عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ مولوی وکیل احمد سکندر پوری (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء۔۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء) نے ابوالنصر محمد ابن محمد الشہیر بالجباری کی کتاب "تاریخ یمینی" کا اردو میں ترجمہ کیا۔

مولوی عبدالعزیز رحیم آبادی (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء۔۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) نے شبلی نعمانی کی مشہور کتاب "سیرت النعمان" علم حدیث اور آئمہ حدیث کے بارے میں پائی جانے والی تاریخی و تحقیقی لغزشوں کے بارے میں مفصل کتاب "حسن البیان فیمافی سیرۃ النعمان" لکھی۔ مولوی شبلی نعمانی نے "سیرت النعمان" پر مولوی عبدالعزیز کے انتقاد کو پسند کیا، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ مولوی عبدالعزیز نے جن تسامحات کی نشان دہی کی تھی مولوی شبلی نعمانی نے انھیں "سیرۃ النعمان" کے دوسرے ایڈیشن سے نکال دیا۔ ۲۰۹ اسی لیے "سیرۃ النعمان" کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں فرق پایا جاتا ہے۔ ۲۱۰

مولوی غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "سرگزشت مجاہدین" میں لکھا ہے کہ مولوی شبلی کی "سیرۃ النعمان" پر جو انتقاد مولوی عبدالعزیز نے "حسن البیان" کے نام سے شائع کیا ہے اس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور اب تک کسی حنفی عالم نے اس پر تنقید کرنے کی جرات نہ کی۔ ۲۱۱

مولوی فقیر محمد جہلمی (۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء۔۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) نے حنفی علماء کا تذکرہ "حدائق الحنفیہ" کے نام سے لکھا جس میں امام اعظم ابوحنیفہ سے ۱۳۰۰ھ تک پوری دنیا کے ۹۱۴ نمایاں حنفی علما و فقہا کے حالات زندگی لکھے، تیرہ (۱۳) ابواب پر مشتمل یہ تذکرہ تین سال کی محنت سے ۱۲۹۷ھ میں مکمل ہوا۔ ۲۱۲ مولوی فقیر محمد جہلمی نے اختصار سے تمام ضروری معلومات درج کرتے

ہوئے علما وفقہا کے حالات ان کے سنین وفات کے لحاظ سے ترتیب دیے ہیں۲۱۳ یہ حنفی علماء کا قابل قدر معتبر تذکرہ ہے۔ وسائل کی کمی کے باوجود محض قلمی مخطوطات سے نوسو چودہ (۹۱۴) علما کا تذکرہ لکھنا یقیناً قابل ستائش کاوش ہے۔

مولوی فقیر محمد جہلمی نے یہ تذکرہ لکھتے ہوئے جن کتب سے استفادہ کیا ہے، دیباچہ میں ان کے نام درج کیے ہیں۔ چند نام درج ذیل ہیں: تاریخ ابن خلکان، تاریخ ابوالفداء، دائرۃ المعارف، ردالمختار شرح درالمختار، فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، روضۃ المصاف، حبیب السیر، اخبار الاخیار، زادالمتقین اور تذکرۃ الاولیاء وغیرہ۔

بقول اقبال احمد فاروقی:

> ''حدائق الحنفیہ کو تو علما اہل سنت کے حالات سوانح کے لیے بڑا مستند اور قابل قدر ماخذ مانا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں مولانا نے جس قدر محنت اور کاوش سے کام لیا ہے وہ آپ کی دل سوزی اور اعتقادی خدمات کی بڑی دلیل ہے۔''۲۱۴

فقیر محمد جہلمی نے فقہا وعلماء کے حالات میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام ضروری معلومات درج کردی ہیں اور ان کے بیان میں نہایت آسان وسلیس زبان استعمال کی ہے۔ کتاب میں بعض جگہ کچھ خامیاں اور غلطیاں نظر آتی ہیں، جیسے کچھ سن ولادت یا سن وفات نہیں دیے گئے، کسی صاحب کی تصانیف کا ذکر نہیں کیا یا کوئی اہم کتاب درج نہیں کی گئی، نیز چند غیر حنفی علماء کا ذکر بھی اس تذکرہ میں آ گیا ہے، جیسے محمد طاؤسی، بکیر ترکی ناصر، عبدالقادر بن شیخ عبداللہ العیدروس شافعی المذاہب تھے۔ وسائل کی کمی کے باوجود مولوی فقیر محمد جہلمی کا محض قلمی مخطوطات کی مدد سے ۹۱۴ علماء کا تذکرہ ترتیب دینا ان کی محنت ولگن کو ظاہر کرتا ہے۔ بقول خورشید احمد خان:

> ''یہ کتاب ایسے دور میں ترتیب دی گئی جب اردو تو کیا عربی میں بھی مطبوعہ لٹریچر نہ ہونے کے برابر تھا۔ اگر مستشرقین نے کوئی ایک آدھ کتاب چھاپ بھی دی تھی تو وہ بھی مصنف کی دسترس سے باہر تھی یہی وجہ ہے کہ کتاب میں بعض جگہ کچھ خامیاں نظر آتی ہیں مگر انتہائی نامساعد حالات اور وسائل کی کمی کے باوجود قلمی مخطوطات کی مدد سے مولوی فقیر محمد مرحوم نے جس طرح کتاب ترتیب دی اس سے ان کی محنت اور لگن کی داد دینا پڑتی ہے۔''۲۱۵

بعد میں اس موضوع سے متعلق کام کرنے والا کوئی محقق اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکا، جہاں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش) اور پروفیسر بروکلمان کی تاریخ ادب عربی، مطبوعہ (جرمن)، خدا بخش لائبریری پٹنہ کیٹلاگ (انگلش) میں جا بجا اس کے حوالے ملتے ہیں وہاں تذکرہ علماء ہند (فارسی) اور نزہۃ الخواطر (عربی) میں بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔۲۱۸

سید نورالحسن خان (۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ء۔ ۱۳۳۶ھ/۱۸۔۱۹۱۷ء) اور نواب علی حسن خان

(۱۸۷۷ء۱۹۳۶ء) نے فارسی زبان میں اردو شعرا کے تذکرے لکھے۔ سید نورالحسن خان نے ''تذکرہ طور کلیم'' میں دو سو گیارہ (۲۱۱) اور نواب علی حسن خان نے ''بزم سخن'' میں چار سو چوبیس (۴۲۴) شاعروں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تذکرے سوانحی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگرچہ ان میں شعرا کے مفصل حالات نہیں لکھے گئے لیکن واقعات اور وفات کے سلسلے میں سنین کا اندراج اور شعرا کی ولدیت اور سکونت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ ان تذکروں کی بہت بڑی افادیت ہے۔

نواب صدیق حسن خان کو تصنیف و تالیف سے بے حد شغف تھا، انھوں نے اردو میں کم و بیش ایک سو تین (۱۰۳) کتابیں لکھیں جو متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان تصانیف کی خاص بات غیر ضروری تفصیلات سے گریز اور اختصار و جامعیت ہے۔ انھوں نے اپنے موضوع کے تمام پہلوؤں کو خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ مجموعی طور پر نواب صدیق حسن خان کی تصانیف کی زبان سادہ و سہل اور طرز بیان مدلل ہے۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ/۳-۱۸۳۲ء۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) نے اردو میں کئی کتابیں لکھیں۔ ان کی تصانیف نثر دقیق، مقفیٰ و مسجع عبارت اور عالمانہ و مناظرانہ انداز بیان کی حامل ہیں۔ ان کی تصانیف کی تفہیم آسان نہیں انھیں سمجھنے کے لیے منطق اور علم کلام سے واقفیت درکار ہے۔ ان کی اردو میں تصانیف عالمانہ اسلوب کا عمدہ نمونہ ہیں۔

علمائے دین نے صحافتی میدان میں بھی خدمات سرانجام دیں حسن رضا خان نے ''مطبع اہلسنت و جماعت بریلی'' قائم کیا۔ جس سے ان کی زیر نگرانی ہفتہ وار اخبار ''روز افزوں'' اور ماہ نامہ ''بہار بے خزاں'' جاری ہوا۔[۲۱۷] مولوی فقیر محمد جہلمی نے مطبع ''سراج المطابع'' قائم کیا اور ''سراج الاخبار'' کے نام سے پرچہ جاری کیا۔[۲۱۸] مولوی علی احمد خان (۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) نے ۱۸۷۸ء میں بدایوں میں ''مطبع نسیم سحر'' قائم کیا جس سے ہفتہ وار اخبار ''نسیم سحر'' شائع ہوتا رہا۔ اس میں ادبی مباحث کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا، خاص طور سے ''نسیم سحر'' اور ''شحنۂ ہند'' میں لفظ ''طوطی'' کی تذکیر و تانیث کے متعلق علی احمد خان اور مولوی شوکت میرٹھی کے درمیان کافی عرصے تک بحث چلتی رہی۔[۲۱۹] مولوی حبیب الرحمٰن سہارن پوری (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء۔ ۱۳۷۰ھ) پنڈت رتن ناتھ سرشار کی وفات کے بعد کچھ عرصہ ''دبدبۂ آصفی'' اور ''محبوب الکلام'' کے مدیر رہے۔[۲۲۰]

علمائے دین کی اردو تصانیف کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ انھوں نے انیسویں صدی عیسوی میں اردو تاریخ گوئی کے رواج کو آگے بڑھانے میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ اکثر علما کی تصانیف کے نام تاریخی ہیں۔ موضوع خواہ کوئی بھی ہو کتاب کا نام تاریخی رکھا گیا۔ بیش تر تصانیف کے سرورق پر تصنیف کے دو

نام ہیں ، ایک اصل اور دوسرا تاریخی۔ اس ضمن میں مفتی غلام سرور لاہوری ، مولوی عبدالقادر بدایونی (۱۲۱۳ھ/۹-۱۷۹۸ء۔۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)، حسن رضا خان، شاہ احمد رضا خان، شاہ محمد معصوم مجددی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی اور مولوی فضل رسول بدایونی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

معاشرتی و اخلاقی تعلیم و تربیت بھی علمائے دین کا اہم موضوع تصنیف تھا۔ انھوں نے اس موضوع پر اردو میں کئی کتابیں لکھیں، مولوی عبدالحیٔ بنگلوری نے ''قران السعدین فی حقوق الزوجین''۲۲۱ میں حقوق زوجین کو منظوم بیان کیا۔ اس میں خاص طور پر خواتین کی دینی تعلیم و اخلاقی تربیت پر زور دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بیوہ کے نکاح ثانی کی بھی ترغیب دی گئی ہے جو اس دور کا ایک اہم معاشرتی مسئلہ تھا۔ مولوی عبدالحیٔ فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء۔۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) نے ''زجر الشبان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ'' ۲۲۲ میں اہم معاشرتی برائی غیبت کے معنی و مفہوم اور اسباب و نقصانات کو بیان کیا ۔مولوی عبداللہ بلگرامی (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء۔۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء) نے شطرنج و گنجفہ اور لہو ولعب کے بارے میں ''رسالہ عجالہ دادیہ در حرمت شطرنج و گنجفہ'' لکھا۔۲۲۳ مفتی غلام سرور لاہوری نے ''دیوان احمد ایزدی'' ۲۲۴ میں متصوفانہ و عارفانہ مضامین کے علاوہ سچ، عاجزی و انکساری، صبر و قناعت، اخلاص اور ترغیب عبادت کو اشعار میں بیان کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے 'گلشن سروری'' ۲۲۵ میں اخلاقی مضامین کو بھی منظوم کیا۔

علمائے دین زبان کے بدلتے رجحانات سے آگاہ تھے انھوں نے اس حقیقت کو بہت جلد سمجھ لیا تھا کہ عربی و فارسی کی بجائے اردو میں لکھنا زیادہ سودمند ہے کیوں کہ اردو عوامی زبان ہے۔ کم و بیش ہر عالم نے اپنی تصنیف میں اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ عربی، فارسی کی بجائے اردو کو اس لیے ذریعہ تصنیف و تالیف بنایا ہے تا کہ عوام تک ان کی بات باآسانی پہنچ سکے۔

علمائے دین کی تصانیف اردو زبان کے ارتقا میں یقیناً معاون ثابت ہوئیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں کہیں کہیں متروک الفاظ جیسے اوس، تک، پاوے، کاہے، آوے، جاوے وغیرہ کا استعمال جمع کے لیے ''ان'' کا اضافہ، تاکید کے لیے ''کر کر'' کا استعمال بھی پایا جاتا ہے جنھیں بعد ازاں ترک کر دیا گیا۔ چند مثالوں سے قطع نظر علامتِ فاعلی ''نے'' کا استعمال انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں عام طور پر کیا جارہا تھا۔ علمائے دین نے اپنی تصانیف میں علمیت و قابلیت کا اظہار کرنے کی بجائے عام بول چال کی زبان استعمال کی، ان کی تصانیف میں محاوروں کا بکثرت استعمال بھی پایا جاتا ہے، سادہ و سلیس نثر کا عموماً استعمال ہے لیکن نثر مرصع و رنگین کے عمدہ نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔

علمائے دین کی اردو تصانیف سے اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں بھی اضافہ ہوا، مذہبی موضوعات

کے حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں ان کے موضوع کی مناسبت سے عربی الفاظ واصطلاحات کا استعمال بھی ہوا۔علمائے دین نے عربی تصانیف کا اردو زبان میں ترجمہ موزوں الفاظ میں کیا جس سے اردو زبان اس قابل ہوئی کہ وہ عربی زبان کے مطالب کو اپنے سانچے میں ڈھال سکے۔

انیسویں صدی عیسوی میں بیش تر علمائے دین نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی۔ان تراجم وتفاسیر میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ یہ عام فہم زبان میں ہوں تا کہ عام پڑھا لکھا انسان بھی ان سے مستفید ہو۔علمائے دین اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اپنی بات کو زیادہ وسیع حلقے میں پھیلانے کے لیے ضروری ہے کہ عام فہم، سادہ وسلیس اردو زبان استعمال کی جائے جس میں اپنی علمیت وقابلیت کے اظہار کی بجائے سیدھے سادے انداز میں مقصد ومفہوم کو بیان کیا جائے۔قاضی عبدالسلام بدایونی نے دو جلدوں پر مشتمل قرآن پاک کی منظوم اردو تفسیر لکھی اس تفسیر میں عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے چند مخصوص الفاظ سے قطع نظر اس تفسیر کی زبان آج بھی قاری کے لیے نامانوس نہیں ہے۔مولوی محمد صبغت اللہ مدراسی نے قرآن پاک کے ابتدائی سات پاروں کی تفسیر ''فیض الکریم'' ۲۲۶ کے نام سے لکھی۔اس میں مقصد کو بیان کرنے کا رجحان نمایاں ہے عبارت میں روانی وتسلسل کی خوبی بھی پائی جاتی ہے مولوی نقی علی خان (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء۔۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) نے سورہ الم نشرح کی مفصل تفسیر ''الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح'' ۲۲۷ کے نام سے لکھی۔نواب صدیق حسن خان اور مولوی سید ذوالفقار احمد نقوی (۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء۔۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے ''ترجمان القرآن بلطائف البیان'' کے نام سے قرآن پاک کی پندرہ جلدوں پر مشتمل تفسیر لکھی۔نواب صدیق حسن خان نے سات جلدیں لکھی تھیں، ان کی وفات کے بعد سید ذوالفقار احمد نے آٹھ جلدیں لکھ کر اس تفسیر کو مکمل کیا۔۲۲۸

(۴)

عموماً یہ خیال پایا جاتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اوّل تک مضمون ومعنی کی حیثیت ثانوی تھی طرز ادا، تکلف بیان اور تصنع وقافیہ پیمائی کو امتیاز خاص حاصل تھا سرسید نے مضمون ومعنی کو اوّلیت کا درجہ دیا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سرسید احمد خان سے بہت پہلے علمائے کرام نے کثیر تعداد میں ایسی کتابیں لکھیں جن میں اسلوب کی بجائے موضوع کو اہمیت حاصل تھی۔چوں کہ انیسویں صدی عیسوی کے علمائے دین کی اردو تصانیف پر کما حقہ نظر نہیں ڈالی گئی تھی اس لیے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں نہ کر سکی کہ سرسید تحریک کے آغاز سے قبل ہی علمائے دین نے اردو کی عوامی حیثیت اور سادہ وعام فہم اسلوب نگارش کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سادہ وعام فہم اردو زبان میں لکھنے کا آغاز کر دیا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔

مندرجہ بالا مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علمائے اہل سنت نے انیسویں صدی عیسوی میں

اردو نثر و شاعری اور زبان کے فروغ و ارتقاء میں نہایت اہم کردار ادا کیا جس کے منظر عام پر آنے سے انیسویں صدی میں اردو زبان و ادب کے ارتقا کی رفتار مزید تیز ہوتی نظر آ رہی ہے۔

حواشی:

۱۔ انور سدید: ''اردو ادب کی مختصر تاریخ'' عزیز بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۷۵۔
۲۔ جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اردو'' جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۶۸۔
۳۔ ایضاً ص ۲۰۳۔
۴۔ ایضاً ص ۲۰۸۔
۵۔ ایضاً ص ۳۰۸، ۳۰۹۔
۶۔ ایضاً ص ۷۹۔
۷۔ جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اردو'' جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶۷۔
۸۔ سید عبدالحیٔ حسنی: ''نزہۃ الخواطر''، جلد ہفتم، اردو ترجمہ ''تیرھویں صدی کے علمائے برصغیر'' مترجم: انوار الحق قاسمی، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷۱۔
۹۔ جمیل جالبی: جلد دوم، ص ۱۰۱۱۔
۱۰۔ احتشام الحسن کاندھلوی: ''حالات مشائخ کاندھلہ'' ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین، نئی دہلی، ۱۳۸۳ھ، ص ۴۷۔
۱۱۔ ایضاً ص ۱۲۵۔۱۳۰۔
۱۲۔ ایضاً ص ۴۷۔
۱۳۔ ایضاً ص ۸۴۔
۱۴۔ ایضاً ص ۸۹۔
۱۵۔ ایضاً ص ۸۰۔
۱۶۔ ایضاً ص ۸۱۔
۱۷۔ ایضاً ص ۸۲۔
۱۸۔ ایضاً ص ۸۳۔
۱۹۔ ایضاً ص ۸۵۔
۲۰۔ ایضاً ص ۸۲۔
۲۱۔ ایضاً ص ۸۳۔
۲۲۔ ایضاً ص ۸۰۔

۲۳ نصر اللہ خویشگی: ''گلشن ہمیشہ بہار'' مرتبہ اسلم فرخی، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۱۷۔۳۱۸۔
۲۴ شاہ نیاز احمد: ''دیوان نیاز''، مطبع نول کشور، کان پور، ۱۸۸۲ء ص ۵۰۔
۲۵ ایضاً، ص ۵۷۔
۲۶ ایضاً، ص ۴۶۔
۲۷ ایضاً، ص ۴۷۔
۲۸ ایضاً، ص ۴۵۔۴۶۔
۲۹ ایضاً، ص ۵۳۔
۳۰ ایضاً، ص ۵۱۔
۳۱ ایضاً، ص ۵۶۔
۳۲ خلیق احمد نظامی: ''تاریخ مشائخ چشت'' مشتاق بک کارنر، لاہور، سن ندارد، ص ۵۳۸۔۵۳۹۔
۳۳ سرسید احمد خان: ''تذکرہ اہل دہلی'' انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۵۵ء، ص ۱۸۔
۳۴ کریم الدین وفیلن: ''طبقات الشعرائے ہند''، مطبع العلوم مدرسہ، دہلی، ۱۸۴۷ء، ص ۴۴۶۔
۳۵ سرسید احمد خان: ص ۶۹۔
۳۶ عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی: ''صدرالدین آزردہ'' مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۶۔
۳۷ سرسید احمد خان: ص ۶۸۔
۳۸ لالہ سری رام: ''خم خانہ جاوید'' جلد اوّل، دہلی، ۱۹۰۸ء، ص ۵۶۔
۳۹ ایضاً، ص ۶۰۔
۴۰ مختار الدین احمد: ''مقدمہ'' مشمولہ ''تذکرہ آزردہ''، مصنف صدر الدین آزردہ، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۷۴ء، ص ۹۔
۴۱ ''خمخانہ جاوید'' جلد اوّل، ص ۵۷۔
۴۲ ایضاً، ص ۵۸، خان، سید احمد، ص ۶۷۔
۴۳ ''خمخانہ جاوید'' جلد اوّل، ص ۵۷۔
۴۴ ایضاً، ص ۶۰، عبدالحیٔ، محمد، بدایونی: ''تذکرہ شمیم سخن'' جلد اوّل، مطبع امداد الہند، مراد آباد، سن ندارد، ص ۷۳۔
۴۵ ''خمخانہ جاوید'' جلد اوّل، ص ۵۹۔
۴۶ ایضاً، ص ۵۷۔۵۹۔
۴۷ ایضاً، ص ۵۶۔
۴۸ عبدالغفور نساخ: ''سخن الشعراء''، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۴ء، ص ۲۳، ۲۴۔
۴۹ سرسید احمد خان: ص ۶۸۔

۵۰ عبدالغفور نساخ:ص۲۳،خمخانہ جاوید،جلداوّل،ص۵۸۔۵۹۔
۵۱ ''خمخانہ جاوید'' جلداوّل،ص۶۰۔
۵۲ ایضاً،ص۵۹،نساخ،عبدالغفور،ص۲۳۔
۵۳ ''خمخانہ جاوید'' جلداوّل،ص۵۸۔
۵۴ انور سدید:ص۲۶۰۔
۵۵ ''خمخانہ جاوید'' جلداوّل،ص۵۹۔
۵۶ ایضاً،ص۵۷۔نساخ،عبدالغفور،ص۲۳۔عبدالحیٔ،محمد،بدایونی،ص۱۷۔
۵۷ ''خمخانہ جاوید'' جلداوّل،ص۵۹۔
۵۸ سرسید احمد خان:ص۶۷۔
۵۹ احمد رضا خان:''الملفوظ'' حصہ دوم،المدینہ پبلشنگ کمپنی،کراچی،سن ندارد،ص۴۱۔
۶۰ مولانا غلام رسول مہر:''۱۸۵۷ء کے مجاہد''،لاہور،۱۹۷۱ء،ص۳۱۱۔
۶۱ مولانا کفایت علی کافی،:''نسیم جنت''،مطبع محمدی،مرادآباد،۱۲۷۰ھ،ص۳۔
۶۲ کفایت علی کافی:''دیوان کافی''،مطبع نامی ابوالعلائی گلزار حوض،حیدرآباد،۱۳۲۲ھ،ص۱۱۔
۶۳ امداد صابری:''۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء''،دہلی،۱۹۵۹ء،ص۳۳۲۔
۶۴ امداد صابری:''حجاز مقدس کے اردو شاعر'' مکتبہ شاہراہ اردو بازار،دہلی،۱۹۷۰ء،ص۱۲۳۔
۶۵ ایضاً،ص۱۲۴۔
۶۶ ایضاً،ص۱۲۳۔
۶۷ مالک رام:''تلامذہ غالب''،ادارہ یادگار غالب،کراچی،۲۰۰۸ء،ص۱۲۱۔
۶۸ ایضاً،ص۱۲۲۔
۶۹ ایضاً،ص۱۲۵۔
۷۰ غلام یحییٰ مصباحی،:''مولانا احمد رضا (اوران کے معاصر علمائے اہل سنت) کی علمی وادبی خدمات''،ادارہ تحقیقات ،امام احمد رضا،پاکستان،۱۹۹۹ء،ص۱۴۸۔۴۹۔
۷۱ عبدالقادر بدایونی:''بہارستان منقبت''،مطبع اعجاز محمدی،حیدرآباددکن،۱۳۱۱ھ،ص۱۰،۴۹۔
۷۲ ایضاً،ص۸۶۔
۷۳ ایضاً،سرورق۔
۷۴ ایضاً۔
۷۵ ایضاً،ص۱۷۔
۷۶ ایضاً،ص۳۷۔

۷۷ ایضاً،ص۱۰۔
۷۸ ایضاً،ص۷۰۔
۷۹ ایضاً،ص۵۰۔
۸۰ ایضاً،ص۴۷۔
۸۱ ایضاً،ص۷۰۔
۸۲ ایضاً،ص۱۴۔
۸۳ ایضاً،ص۷۰۔
۸۴ ایضاً،ص۶۴۔
۸۵ ایضاً،ص۴۸۔
۸۶ ایضاً،ص۳۷۔
۸۷ ایضاً،ص۷۰۔
۸۸ ایضاً،ص۴۶۔
۸۹ ایضاً،ص۷۰۔
۹۰ ایضاً،ص۶۷۔
۹۱ ایضاً،ص۴۶۔
۹۲ ایضاً،ص۲۷۔
۹۳ ایضاً،ص۸۳۔
۹۴ ایضاً،ص۱۷۔
۹۵ ایضاً،ص۵۳۔
۹۶ ایضاً،ص۵۳۔۵۴۔
۹۷ ایضاً،ص۶۰۔
۹۸ ایضاً،ص۸۵۔
۹۹ محمد میاں قادری اولادِ رسول: ''تاریخ خاندان برکات''، برکاتی پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص۴۰۔
۱۰۰ ابوالحسن نوری: ''تخیل نوری''، مطبع نادری، بریلی، ۱۳۱۶ھ، ص۲۸۔
۱۰۱ ایضاً،ص۳۳۔
۱۰۲ ایضاً،ص۳۵۔
۱۰۳ ایضاً،ص۳۲۔
۱۰۴ ایضاً،ص۳۳۔

۱۰۵۔ ایضاً،ص ۲۸۔

۱۰۶۔ ایضاً،ص ۲۹۔

۱۰۷۔ ایضاً،ص ۳۰۔

۱۰۸۔ ایضاً،ص ۳۱۔

۱۰۹۔ ایضاً،ص ۳۲۔

۱۱۰۔ ایضاً،ص ۳۵۔

۱۱۱۔ شجاع الدین قادری: ''تخیل نوری ایک تجزیاتی مطالعہ'' اہل سنت کی آواز، خصوصی شمارہ، اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۹۶۔

۱۱۲۔ علی حسن خان: ''مآثر صدیقی''، حصہ چہارم، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۸ء، ص ۲۸۔

۱۱۳۔ محمد ممتاز علی: ''آثار الشعراء''، مطبع شاہ جہانی، بھوپال، ۱۳۰۴ھ، ص ۳۳، لالہ سری رام: ''خمخانۂ جاوید''، جلد دوم، امپریئل بک ڈپو پریس، دہلی ۱۹۱۱ء، ص ۱۵۳۔

۱۱۴۔ صدیق حسن خان: ''گل رعنا''، مطبع شاہ جہانی، بھوپال، ۱۳۰۷ھ، ص ۳۰۔

۱۱۵۔ ایضاً،ص ۳۱۔

۱۱۶۔ ایضاً،ص ۳۲۔

۱۱۷۔ ایضاً۔

۱۱۸۔ ایضاً،ص ۳۳۔

۱۱۹۔ ایضاً،ص ۳۴۔

۱۲۰۔ ایضاً،ص ۳۸۔

۱۲۱۔ ایضاً،ص ۳۹۔

۱۲۲۔ ایضاً،ص ۴۵۔

۱۲۳۔ ایضاً،ص ۴۸۔

۱۲۴۔ ایضاً،ص ۵۲۔

۱۲۵۔ ایضاً،ص ۴۶۔

۱۲۶۔ ایضاً،ص ۴۲۔

۱۲۷۔ ایضاً،ص ۳۳۔

۱۲۸۔ ایضاً،ص ۳۱۔

۱۲۹۔ ایضاً،ص ۳۵۔

۱۳۰۔ ایضاً،ص ۳۳۔

۱۳۱۔ ایضاً،ص ۳۱۔

۱۳۲۔ ایضاً،ص۳۶۔
۱۳۳۔ ایضاً،ص۴۲۔
۱۳۴۔ ایضاً،ص۳۵۔
۱۳۵۔ ایضاً،ص۳۰۔
۱۳۶۔ ایضاً،ص۳۸۔
۱۳۷۔ ایضاً،ص۴۳۔
۱۳۸۔ ایضاً،ص۳۰۔
۱۳۹۔ ایضاً،ص۳۱۔
۱۴۰۔ ایضاً،ص۳۲۔
۱۴۱۔ ایضاً۔
۱۴۲۔ محمد معصوم شاہ معصوم: ''انتخاب معصوم''، مطبع فیض الکریم، حیدرآباد دکن، ۱۸۹۷ء، ص۰۶۔
۱۴۳۔ ایضاً،ص۲۴۔
۱۴۴۔ ایضاً،ص۳۹۔۴۰۔
۱۴۵۔ ایضاً،ص۳۸۔
۱۴۶۔ ایضاً،ص۴۵۔
۱۴۷۔ ایضاً،ص۲۹۔
۱۴۸۔ ایضاً،ص۳۵۔
۱۴۹۔ ایضاً،ص۲۵۔
۱۵۰۔ ایضاً،ص۳۰۔
۱۵۱۔ ایضاً،ص۲۸۔
۱۵۲۔ ایضاً،ص۴۶۔
۱۵۳۔ ایضاً،ص۳۴۔
۱۵۴۔ ایضاً،ص۴۷۔
۱۵۵۔ ایضاً،ص۴۹۔
۱۵۶۔ ایضاً،ص۵۰۔
۱۵۷۔ ایضاً،ص۵۱۔
۱۵۸۔ ایضاً،ص۴۳۔
۱۵۹۔ ایضاً،ص۴۶۔

۱۶۰ ایضاً،ص ۳۶۔
۱۶۱ ایضاً،ص ۶۴۔
۱۶۲ ایضاً،ص ۴۷۔
۱۶۳ ایضاً،ص ۴۳۔
۱۶۴ ایضاً،ص ۲۵۔
۱۶۵ ایضاً،ص ۲۴۔
۱۶۶ ایضاً،ص ۲۸۔
۱۶۷ ایضاً،ص ۲۵۔
۱۶۸ ایضاً،ص ۳۴۔
۱۶۹ ایضاً،ص ۲۵۔
۱۷۰ ایضاً،ص ۴۶۔
۱۷۱ ایضاً،ص ۲۸۔
۱۷۲ ایضاً،ص ۴۷۔
۱۷۳ ایضاً،ص ۴۹۔
۱۷۴ ایضاً،ص ۵۲۔
۱۷۵ ایضاً،ص ۵۴۔
۱۷۶ ایضاً،ص ۳۲۔
۱۷۷ ایضاً،ص ۶۴۔
۱۷۸ ایضاً،ص ۴۹۔
۱۷۹ ایضاً،ص ۴۷۔
۱۸۰ ایضاً،ص ۳۴۔
۱۸۱ ایضاً،ص ۴۰۔
۱۸۲ ایضاً،ص ۴۱۔
۱۸۳ ایضاً۔
۱۸۴ حسن رضا خان: ''ثمر فصاحت''، مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی ۱۳۱۹ھ، ص ۰۸۔
۱۸۵ ایضاً،ص ۱۳۹۔
۱۸۶ ایضاً،ص ۴۷۔
۱۸۷ ایضاً،ص ۱۵۶۔

۱۸۸۔ ''خمخانۂ جاوید''، جلد دوم، ص ۴۵۱۔

۱۸۹۔ لالہ سری رام: ''خمخانۂ جاوید''، جلد ششم، مرتبہ خورشید احمد یوسفی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۔

۱۹۰۔ سید عبدالحئی حسنی: ''گل رعنا''، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۲۱ء، ص ۳۱۲۔

۱۹۱۔ قادر بخش صابر: ''گلستان سخن''، مطبع نول کشور، ۱۲۷۱ھ، ص ۳۷۲۔

۱۹۲۔ کلب علی خان فائق: ''مومن''، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۶۔

۱۹۳۔ امداد صابری: ''دہلی کی یادگار ہستیاں''، دہلی، ۱۹۷۲ء، ص ۲۸۵۔۲۸۶۔

۱۹۴۔ محمد فقیر جہلمی، ''حدائق حنفیہ''، المیزان اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۵۰۰۔

۱۹۵۔ مفتی غلام سرور: ''زبدہ اللغات''، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۷ء، ص ۰۳۔

۱۹۶۔ عبدالفتاح اشرف گلشن آبادی: ''خلاصۂ علم جغرافیہ'' مطبع حیدری، بمبئی، ۱۸۷۰ء، ص ۰۲۔

۱۹۷۔ نصیرالدین ہاشمی: ''مدراس میں اردو''، حیدرآباد دکن، ۱۹۳۸ء، ص ۹۷، ۹۸۔

۱۹۸۔ ایضاً، ص ۹۸۔

۱۹۹۔ ایضاً، ص ۹۹۔

۲۰۰۔ محمد ایوب قادری: ''جزائر انڈمان و نکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات''، سہ ماہی اردو، جنوری ۱۹۶۸ء، ص ۶۹۔

۲۰۱۔ انور محمود خالد: ''اردو نثر میں سیرت رسول''، اقبال اکیڈمی، پاکستان، ۱۹۸۹ء، ص ۳۲۴۔

۲۰۲۔ عنایت احمد کاکوروی: ''تواریخ حبیب الہٰ''، مطبع نظامی، کان پور، ۱۲۸۱ھ، ص ۱۳۔

۲۰۳۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔

۲۰۴۔ انور محمود خالد، ص ۳۳۰۔

۲۰۵۔ آفتاب احمد نقوی: ''مقدمہ'' مشمولہ تواریخ حبیب الہٰ'' مکتبہ مہریہ رضویہ، سیالکوٹ، سن ندارد، ص ل۔

۲۰۶۔ محمد یعقوب نانوتوی: ''حالات طیب جناب مولوی محمد قاسم مرحوم''، مطبع صادق الانوار، بہاولپور، ۱۲۹۷ھ، ص ۳۴۔

۲۰۷۔ ایضاً، ص ۱۹۔

۲۰۸۔ محمد ایوب قادری: ''مولانا محمد احسن نانوتوی''، مکتبہ عثمانیہ، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۳۔

۲۰۹۔ محمد اسحاق بھٹی: ''دبستان حدیث'' مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۷۔ عبدالرقیب حقانی: ''ارض بہار اور مسلمان''، علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۳۵۲۔

۲۱۰۔ عبدالرقیب حقانی، ص ۳۵۲۔

۲۱۱۔ غلام رسول مہر: ''سرگزشت مجاہدین''، کتاب منزل، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۶۴۳۔۶۴۴۔

۲۱۲۔ جہلمی فقیر محمد، ص ۲۸۔

۲۱۳۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۲۱۴۔ اقبال احمد فاروقی: ''تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور''، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۲۸۳۔

۲۱۵۔ خورشید احمد خان: ''عرضِ مرتب''، مشمولہ حدائق الحنفیہ، ص۱۹۔

۲۱۶۔ ایضاً۔

۲۱۷۔ حسن ادیب لطیف: ''حسن بریلوی حیات اور کارنامے''، رسالہ سنی دنیا، مولانا حسن بریلوی نمبر، بریلی، اگست ۱۹۹۴ء، ص۱۰۔

۲۱۸۔ اقبال احمد فاروقی، ص۲۸۳۔

۲۱۹۔ ''حجاز مقدس کے اردو شاعر''، ص۱۲۸۔

۲۲۰۔ مالک رام، ص۱۳۱۔

۲۲۱۔ بنگلوری عبدالحیٔ احقر: ''قران السعدین فی حقوق الزوجین''، مطبع شاخ فتح الکریم، بمبئی، ۱۲۷۴ھ۔

۲۲۲۔ محلی فرنگی عبدالحیٔ: ''زجرالشبان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ''، مطبع انوار محمد، ۱۳۰۴ھ۔

۲۲۳۔ بلگرامی محمد عبداللہ: ''عجالہ ہادیہ'' مطبع نول کشور، کان پور، ۱۸۸۲ء۔

۲۲۴۔ مفتی غلام سرور: ''دیوان حمایزدی''، وکٹوریہ پریس، لاہور ۱۸۸۰ء۔

۲۲۵۔ مفتی غلام سرور: ''گلشن سروری''، مطبع مصطفائی، لاہور، ۱۲۹۱ھ۔

۲۲۶۔ مدراسی محمد صبغت اللہ: ''فیض الکریم تفسیر قرآن عظیم''، مطبع عزیزی، مدراس، ۱۳۱۳ھ۔

۲۲۷۔ نقی علی خان: ''الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح''، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، سن ندارد۔

۲۲۸۔ محمد اسحاق بھٹی: ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن''، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۱۹۹۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

کتب:

۱۔ احمد، مختار الدین: ۱۹۷۴ء، مصنف صدرالدین آزردہ، ''مقدمہ'' مشمولہ ''تذکرہ آزردہ''، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی۔

۲۔ اصلاحی، عبدالرحمٰن، پرواز: ۱۹۷۷ء، ''صدرالدین آزردہ''، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔

۳۔ اولادرسول، قادری، محمد، میاں: ۱۹۸۷ء، ''تاریخ خاندان برکات''، برکاتی پبلشرز، کراچی۔

۴۔ بدایونی، عبدالحیٔ، محمد: سن ندارد، ''تذکرہ شمیم سخن'' جلد اوّل، مطبع امداد الہند، مراد آباد۔

۵۔ بدایونی، عبدالقادر: ۱۳۱۱ھ، ''بہارستان منقبت''، مطبع اعجاز محمدی، حیدرآباد دکن۔

۶۔ بلگرامی، محمد عبداللہ: ۱۸۸۲ء، ''عجالہ ہادیہ'' مطبع نول کشور، کان پور۔

۷۔ بنگلوری، احقر، عبدالحیٔ: ۱۲۷۴ھ، ''قران السعدین فی حقوق الزوجین''، مطبع شاخ فتح الکریم، بمبئی۔

۸۔ بھٹی، محمد اسحاق: ۲۰۰۵ء، ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن''، مکتبہ قدوسیہ، لاہور۔

۹۔ بھٹی، محمد اسحاق: ۲۰۰۸ء، ''دبستان حدیث'' مکتبہ قدوسیہ، لاہور۔

۱۰ جالبی، جمیل احمد، ڈاکٹر: ۱۹۹۴ء، ''تاریخ ادب اردو'' جلد دوم، طبع سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۱۱۔ جالبی، جمیل احمد، ڈاکٹر:۱۹۹۵ء، ''تاریخ ادب اردو''، جلد اوّل مجلس ترقی ادب، لاہور۔
۱۲۔ جہلمی، فقیر محمد:۲۰۰۸ء، ''حدائق حنفیہ''، المیزان اردو بازار، لاہور۔
۱۳۔ حسنی، عبدالحئی، سید:۱۹۲۱ء، ''گل رعنا''، دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔
۱۴۔ حسنی، عبدالحئی، سید:۲۰۰۶ء، ''نزہۃ الخواطر''، جلد ہفتم، اردو ترجمہ ''تیرھویں صدی کے علمائے برصغیر'' مترجم: انوار الحق قاسمی، دارالاشاعت، کراچی۔
۱۵۔ حقانی، عبدالرقیب:۲۰۰۴ء، ''ارض بہار اور مسلمان''، علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی۔
۱۶۔ خویشگی، نصراللہ:۱۹۶۷ء، مرتبہ اسلم فرخی، ''گلشن ہمیشہ بہار''، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
۱۷۔ خان، سید احمد، سر:۱۹۵۵ء، ''تذکرہ اہل دہلی''، انجمن ترقی اردو، پاکستان۔
۱۸۔ خان، احمد رضا: سن ندارد، ''الملفوظ''، حصہ دوم، المدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔
۱۹۔ خان، علی حسن:۱۹۲۸ء، ''مآثر صدیقی''، حصہ چہارم، مطبع نول کشور، لکھنؤ۔
۲۰۔ خان، صدیق حسن:۱۳۰۷ھ، ''گل رعنا'' مطبع شاہ جہانی، بھوپال۔
۲۱۔ خان، حسن رضا:۱۳۱۹ھ، ''ثمر فصاحت''، مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی۔
۲۲۔ خالد، انور محمود:۱۹۸۹ء، ''اردو نثر میں سیرت رسول''، اقبال اکیڈمی، پاکستان۔
۲۳۔ خان، نقی علی: سن ندارد، ''الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح''، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچیہ۔
۲۴۔ سدید، انور:۱۹۹۸ء، ''اردو ادب کی مختصر تاریخ''، عزیز بک ڈپو، لاہور۔
۲۵۔ سری رام، لالہ:۱۹۰۸ء، ''خم خانہ جاوید'' جلد اوّل، دہلی۔
۲۶۔ سری رام، لالہ:۱۹۱۱ء، ''خم خانۂ جاوید''، جلد دوم، امپریئل بک ڈپو پریس۔
۲۷۔ سری رام، لالہ:۱۹۹۰ء، مرتبہ خورشید احمد یوسفی، ''خمخانہ جاوید''، جلد ششم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔
۲۸۔ شاہ، احمد، نیاز:۱۸۸۲ء، ''دیوان نیاز''، مطبع نول کشور، کان پور۔
۲۹۔ صابری، امداد:۱۹۵۹ء، ''۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء''، دہلی۔
۳۰۔ صابری، امداد:۱۹۷۰ء، ''حجاز مقدس کے اردو شاعر'' مکتبہ شاہراہ اردو بازار، دہلی۔
۳۱۔ صابری، امدد:۱۹۷۲ء، ''دہلی کی یادگار ہستیاں''، دہلی۔
۳۲۔ صابر، قادر بخش:۱۲۷۱ء، ''گلستان سخن''، مطبع نول کشور۔
۳۳۔ کاندھلوی، احتشام الحسن:۱۳۸۳ء، ''حالات مشائخ کاندھلہ'' ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔
۳۴۔ کریم الدین وفیلن:۱۸۴۷ء، ''طبقات الشعرائے ہند''، مطبع العلوم مدرسہ، دہلی۔
۳۵۔ کافی، کفایت علی، مولانا:۱۲۷۰ھ، ''نسیم جنت''، مطبع محمدی، مرادآباد۔
۳۶۔ کافی، کفایت علی، مولانا:۱۳۲۲ھ، ''دیوان کافی''، مطبع نامی ابوالعلائی گلزار حوض، حیدرآباد۔
۳۷۔ کاکوروی، عنایت احمد:۱۲۸۱ھ، ''تواریخ حبیب الہٰ''، مطبع نظامی، کان پور۔

۳۸۔ گلشن آبادی، اشرف، عبدالفتاح: ۱۸۷۰ء، ''خلاصۂ علم جغرافیہ'' مطبع حیدری، بمبئی۔
۳۹۔ غلام سرور، مفتی: ۱۸۸۰ء، ''دیوان حمد ایزدی''، وکٹوریہ پریس، لاہور۔
۴۰۔ غلام سرور، مفتی: ۱۲۹۱ھ، ''گلشنِ سروری''، مطبع مصطفائی، لاہور۔
۴۱۔ غلام سرور، مفتی: ۱۸۷۷ء، ''زبدہ اللغات''، مطبع نول کشور، لکھنؤ۔
۴۲۔ فاروقی، اقبال احمد: ۱۹۷۸ء، ''تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور''، مکتبہ نبویہ، لاہور۔
۴۳۔ فائق، خان، کلب علی: ۱۹۶۱ء، ''مومن''، مجلس ترقی ادب، لاہور۔
۴۴۔ قادری، محمد ایوب: ۱۹۶۶ء، ''مولانا محمد احسن نانوتوی''، مکتبہ عثمانیہ، کراچی۔
۴۵۔ مالک رام: ۲۰۰۸ء، ''تلامذہ غالب''، ادارہ یادگار غالب، کراچی۔
۴۶۔ مصباحی، غلام یحییٰ: ۱۹۹۹ء، ''مولانا احمد رضا (اور ان کے معاصر علمائے اہل سنت) کی علمی و ادبی خدمات''، ادارہ تحقیقات، امام احمد رضا، پاکستان۔
۴۷۔ مہر، غلام رسول، مولانا: ۱۹۷۱ء، ''۱۸۵۷ء کے مجاہد''، لاہور۔
۴۸۔ مہر، غلام رسول، مولانا: ۱۹۵۵ء، ''سرگزشت مجاہدین''، کتاب منزل، لاہور۔
۴۹۔ ممتاز علی، محمد: ۱۳۰۴ھ، ''آثار الشعراء''، مطبع شاہ جہانی، بھوپال۔
۵۰۔ معصوم، محمد معصوم شاہ: ۱۸۹۷ء، ''انتخاب معصوم''، مطبع فیض الکریم، حیدرآباد دکن۔
۵۱۔ مدراسی، محمد صبغت اللہ: ۱۳۱۳ھ، ''فیض الکریم تفسیر قرآن عظیم''، مطبع عزیزی، مدراس۔
۵۲۔ محلی، فرنگی، عبدالحئی: ۱۳۰۴ھ، ''زجر ایشان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ''، مطبع انوار محمد۔
۵۳۔ نوری، ابوالحسن: ۱۳۱۶ھ، ''تخیل نوری''، مطبع نادری، بریلی۔
۵۴۔ نظامی، خلیق احمد: سن ندارد، ''تاریخ مشائخ چشت''، مشتاق بک کارنر، لاہور۔
۵۵۔ نساخ، عبدالغفور: ۱۸۷۴ء، ''سخن الشعراء''، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ۔
۵۶۔ نقوی، آفتاب احمد: سن ندارد، ''مقدمہ'' مشمولہ ''تواریخ حبیب الہٰ'' مکتبہ مہریہ رضویہ، سیالکوٹ۔
۵۷۔ نانوتوی، محمد یعقوب: ۱۲۹۷ھ ''حالات طیب جناب مولوی محمد قاسم مرحوم''، مطبع صادق الانوار، بہاولپور۔
۵۸۔ ہاشمی، نصیر الدین: ۱۹۳۸ء، ''مدراس میں اردو''، حیدرآباد دکن۔

رسائل:

۱۔ سہ ماہی ''اردو''، جنوری ۱۹۶۸ء۔
۲۔ اہل سنت کی آواز، خصوصی شمارہ، اکتوبر ۲۰۰۳ء۔
۳۔ رسالہ ''سنی دنیا''، مولانا حسن بریلوی نمبر، اگست ۱۹۹۴ء، بریلی۔